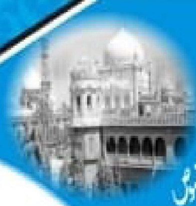
یا اللہ مدد — اصلی کلمۂ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ — حق چار یار





اکابر اہل سنت (دیوبند) بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

بیاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نوراللہ مرقدہٗ

بیاد: حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نوراللہ مرقدہٗ

115-116

ستمبر، اکتوبر 2020ء ——— محرم، صفر ۱۴۴۲ھ

پھر مسلم لیگ (ن) کی حکومت نے سینکڑوں سزائے موت کے قیدیوں کو چھوڑ کر ممتاز قادری کو جلد بازی میں پھانسی دی، اپنے زعم کے مطابق انہوں نے سیاست دانوں اور لادین عناصر کو تحفظ فراہم کر دیا کہ آئندہ کوئی عاشق رسول قادری جیسا اقدام نہیں کریگا، لیکن موجودہ واقعہ نے ثابت کر دیا کہ ناموس رسالت کے پروانے ہر وقت موجود رہتے ہیں اور رہیں گے، علمائے کرام کو وقوعہ سے پہلے انتہائی اقدام کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے، نوجوانوں کو مکالمہ اور افہام و تفہیم کی راہ دکھانی چاہیے، لیکن صحیح موقع پر صحیح اقدام کے بعد فرض کفایہ کی ادائیگی کی حوصلہ شکنی بھی نہیں کرنی چاہیے، اگر اہل علم کی طرف سے ایسے دل گردے والے غازیوں کی حوصلہ شکنی ہوتی رہی تو یہ زمین درندوں سے بھر جائے گی، حد سے بڑھتے ہوئے ظلم جس کا مداوا قانون نہ کر سکتا ہو اس میں قانون کا معاون بننا چاہیے، عالمی دباؤ قاضیوں کے لیے ہوتا ہے، غازیوں کے لیے نہیں اور ایسے غازی قاضیوں کی لیے آسانی پیدا کر دیتے ہیں۔ [کیا قانون ہاتھ میں لینا جائز ہے؟:۱۴]

مظہریہ دار المطالعہ جہان سورو
0312 4612774 0334-4612774
khadim.khan4@yahoo.com
hamza.ehsani44@gmail.com

ترتیب

مجلّہ صفدر کے اجراء کا طریقہ

۱۔ اپنا نام، مکمل ڈاک پتہ، موبائل نمبر اردو میں صاف خوشخط لکھ کر ارسال فرمائیں۔

۲۔ کس سن اور ماہ سے رسالہ جاری کرنا ہے، اس کی وضاحت فرمائیں۔

۳۔ سالانہ زرِ تعاون مبلغ چار صد (۴۰۰) روپے یا اتنی مالیت کے ڈاک ٹکٹ ارسال فرمائیں۔

۴۔ منی آرڈر، وی پی، (۱۰، ۱۵ / یا ۲۵ / روپے والے) ڈاک ٹکٹ یا میزان بینک اکاؤنٹ کے ذریعہ رقم ارسال کی جاسکتی ہے۔ رقم بھیجتے وقت تفصیل بتائیں اور بھیج کر اطلاع ضرور فرمائیں، ورنہ ادارہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔

۵۔ رسالہ جاری ہونے پر اپنا خریداری نمبر محفوظ رکھیں!

۶۔ زرِ سالانہ ختم ہونے پر اطلاع کے تین ماہ بعد رسالہ کی ترسیل موقوف کردی جاتی ہے۔ لہٰذا ترسیل جاری رکھنے کے لیے زرِ سالانہ کی بروقت ادائیگی کو یقینی بنائیں۔ **جزاکم اللہ أحسن الجزاء**

ملاحظہ: مجلّہ ''صفدر'' کے بعض سابقہ شمارے بھی رعایتی نرخ پر دستیاب ہیں۔

مجلّہ صفدر، حمزہ احسانی، مکان ۴، گلی ۸۲، محمود اسٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

0312-4612774 :واٹس ایپ 0307-5687800_0334-4612774

ای میل: hamza.ehsani44@gmail.com

sarfraz ul hasan khan hamza (سرفراز الحسن خان حمزہ)

meezan benk ichra branch lahore (میزان بینک، اچھرہ برانچ، لاہور)

branch cod: 0285

acount n: 0104566580

افادات: ابن امام اہل سنت مولانا عبدالحق خان بشیر، گجرات ضبط وترتیب: حمزہ احسانی

تحفظ بنیادِ اسلام بل......اعتراضات کا جائزہ

مؤرخہ ۲۱/جولائی ۲۰۲۰ء کو پنجاب اسمبلی سے ''تحفظ بنیاد اسلام'' نامی ایک بل منظور ہوا، اس بل کے منظور ہوتے ہی ملک بھر کے سیکولر حلقوں اور صحابہ کرام کی عظمت کے منکرین نے اس کی مخالفت میں آسمان سر پر اُٹھالیا، ذیل میں اس بل کے مندرجات نمبروار پیش کیے جاتے ہیں:

''۱۔ نبی پاک حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام سے قبل ان کا لقب خاتم النبیین (آخری نبی) لگایا جائے گا اور اس کے بعد صرف عربی متن میں صلی اللہ علیہ وسلم لکھا جائے گا۔

کسی بھی نبی علیہ السلام کے مبارک نام کے بعد علیہ السلام لکھا جائے گا۔

۲۔ نبی پاک حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین، امہات المؤمنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین میں سے کسی ام المؤمنین کے مبارک نام سے قبل ان کا لقب ام المؤمنین لکھا جائے گا اور بعد میں رضی اللہ تعالیٰ عنہا لکھا جائے گا۔

۳۔ چاروں خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی کے بھی مبارک نام سے پہلے ان کا لقب خلیفہ راشد یا خدا کے ہدایت یافتہ خلیفہ لکھا جائے گا اور ان کے نام کے بعد رضی اللہ عنہ لکھا جائے گا۔

۴۔ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں عفت مآب بیٹیوں اور تینوں مطہر بیٹوں رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی کے بھی مبارک نام کے بعد رضی اللہ عنہ یا رضی اللہ عنہا لکھا جائے گا۔

اہل بیت اطہار، خاتم النبیین (آخری نبی) حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطہر نواسوں اور عفت مآب نواسیوں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کسی کے بھی مبارک نام کے بعد رضی اللہ عنہ یا رضی اللہ عنہا لکھا جائے گا۔

۵۔ اصحابِ رسول رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کسی کے بھی مبارک نام سے پہلے ان کا لقب ''صحابی رسول'' یا ''صحابیہ رسول'' لکھا جائے گا اور نام کے بعد ''رضی اللہ عنہ'' یا ''رضی اللہ عنہا'' لکھا جائے گا۔''

مؤخر الذکر چار چیزوں پر ملک بھر میں ایک طوفان بدتمیزی مچا کر یہ تصور دیا گیا کہ: ''گویا پاکستان کوئی اسلامی ریاست نہیں بلکہ غیر مسلم ملک ہے، جہاں ایک اسلامی بل منظور کرلیا گیا۔ جو باعث مذمت ہے۔'' زیر نظر سطور میں اِس حوالے سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کا اختصار سے جائزہ لیا جائے گا۔

۱۔ پہلا اِعتراض: انسانی اور مذہبی حقوق کے خلاف ہے:

اس بل پر پہلا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ: ''یہ بل انسانی اور مذہبی حقوق کے خلاف ہے۔''

جواب: معلوم ہونا چاہیے کہ جرم اور حق، دوالگ الگ چیزیں ہیں۔ کسی کی توہین کرنا ''جرم'' شمار ہوتا ہے، ''حق'' نہیں۔ پنجاب اسمبلی کے منظورہ کردہ اِس بل میں صحابہ واہل بیت کی تعظیم کا پابند کیا گیا ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کسی شخصیت کی تعظیم کرنے اور توہین سے باز رکھنے میں کون سے انسانی اور مذہبی حقوق کی خلاف ورزی ہے؟ دنیا کا کوئی بھی مہذب مذہب اور انسان کسی کی توہین کو اپنا مذہبی یا انسانی حق نہیں سمجھتا۔

ہمارے ہاں مغرب اور اس سے متاثر/مرعوب یا مغرب کا تنخواہ دار طبقہ ایک عرصہ سے 'حقوق' کے نام پر 'جرائم' کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ پہلے ناموس رسالت کے قانون کو انسانی اور مذہبی حقوق کے خلاف قرار دیا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا ان کے نزدیک انسانی اور مذہبی حق ہے؟ (نعوذ باللہ) حالانکہ اگر جرم اور حق میں فرق ملحوظ رکھا جائے تو اِن قوانین پر اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین درحقیقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے۔ چنانچہ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کسی بھی مقدمے میں فریق مخالف سب سے پہلے اس مقدمے کے گواہوں کو کمزور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کو دِل سے نہیں مانتے، وہ اس نبوت ورسالت کے عینی گواہوں، صحابہ کرام پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ صحابہ کرام پر بداعتمادی کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ حضور کی نبوت کو دل سے تسلیم نہیں کرتے۔

اس موقع پر یہ وضاحت بھی مناسب ہوگی کہ: ۱۹۲۷ء میں، انگریز کے دور میں مولانا محمد علی جوہر نے یہ تحریک اٹھائی کہ مذہبی شخصیات جن کا تعلق ایمانیات کے ساتھ ہے، اُن کی توہین کو قانونی طور پر جرم قرار دیا جائے۔ چنانچہ اُن کا یہ مطالبہ انگریز دور میں بھی تسلیم کیا گیا اور اس حوالے سے قانون منظور ہوا کہ مذہبی شخصیات میں سے کسی بھی شخصیت کی توہین پر دو سال قید کی سزا اور جرمانہ یا دونوں کی سزا ہوگی۔ گویا انگریز نے بھی توہین کو حق نہیں جرم تسلیم کیا تھا۔

۲۔ دوسرا اِعتراض: آزادی اظہارِ رائے سلب ہو رہی ہے:

اس بل پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ: ''اس بل کے ذریعہ آزادئ اظہار رائے سلب کی جا رہی ہے۔''

جواب: پاکستان کے آئین کے آرٹیکل ۱۹ کی شق الف میں یہ بات موجود ہے کہ: اِس ملک کے شہریوں کو ۱۔ عظمتِ اسلام، ۲۔ پاکستان کی سالمیت اور ۳۔ تہذیب واخلاق کے دائرہ میں رہتے ہوئے آزادی اظہارِ رائے کا حق حاصل ہے۔ لہٰذا اگر کوئی چیز مذکورہ بالا تینوں دائروں سے باہر ہے تو وہ ہمارے ملک کے آئین

کے مطابق ''آزادیٔ اظہارِ رائے'' میں شمار نہیں ہوتی۔ اور یہ بل اِن تینوں شرطوں کی پوری پاسداری کر رہا ہے۔ لہٰذا اِسے آزادیٔ اظہارِ رائے کے خلاف قرار دینا غلط ہے۔

۳۔ تیسرا اِعتراض: نبوت کے بعد امامت ہے، خلافت تسلیم نہیں:

تیسرا اعتراض جو اِس بل پر کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ: ''اِس بل میں خلفائے راشدین کا تذکرہ ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک نبوت کے بعد امامت کا مرتبہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو خلافت منعقد ہوئی، وہ غیر اسلامی اور غیر قانونی خلافت تھی، ہم اسے نہیں مانتے۔ لہٰذا اُس خلافت کے ذریعہ خلیفہ بننے والوں کے نام کے ساتھ خلیفہ راشد یا رضی اللہ عنہ لکھنے کے لیے ہم تیار نہیں۔''

جواب: اسلامی عقیدۂ خلافتِ راشدہ براہِ راست قرآن سے ثابت ہے۔ سورۃ النور کی آیت: ۵۵ میں اللہ پاک نے مہاجر صحابہ سے وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں خلافت دیں گے۔ اور مہاجر صحابہ میں سے چار حضرات کو خلافت ملی۔ لہٰذا اُن چاروں کی خلافت من جانب اللہ سمجھی گئی ہے، جس کا وعدہ قرآن میں ہوا۔ اور خلافت کا انکار قرآن کے انکار کے مترادف ہے۔

اور یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو خلافت کے قیام کا صرف ''حکم'' نہیں دیا، بلکہ ''وعدہ'' فرمایا ہے، اور وعدہ و حکم میں فرق یہ ہے کہ حکم خداوندی کی خلاف ورزی ممکن ہے، مثلاً: نماز پڑھنے کا حکم ہے، لیکن بہت سے لوگ نہیں پڑھتے۔ لیکن وعدہ خداوندی کے خلاف ہونا محال اور ناممکن ہے۔ جیسے: اللہ پاک نے ہر انسان کے لیے مخصوص مقدار روزی کا وعدہ فرمایا، جب تک وہ روزی انسان کے حلق سے اتر نہ جائے، موت نہیں آسکتی۔ صحابہ کرام سے خلافت کا چونکہ وعدۂ الٰہی ہے، اِس لیے خلافت کے عدم انعقاد کا کوئی امکان نہیں۔

اگر کوئی تسلیم نہیں کرتا تو گویا اُسے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بے اعتمادی ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ نے وعدہ پورا نہیں کیا یا (معاذ اللہ) وعدہ پورا کرنے سے عاجز آگئے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نہ خائن ہیں نہ کمزور!

۴۔ چوتھا اِعتراض: صحابہ کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' ہمارے مذہب کے خلاف ہے:

اس بل پر چوتھا اعتراض یہ ہے کہ: ''یہ بل ہمیں ہمارے مذہب کی مخالفت پر مجبور کر رہا ہے، ہمارا مذہب ہمیں صحابہ کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' لکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔''

جواب: ملک پاکستان میں قانون سازی کی بنیاد تمہارا مذہب نہیں، قرآن وسنت ہے۔ دستورِ پاکستان میں واضح الفاظ میں یہ بات موجود ہے کہ: ''پاکستان کے قانون کی بنیاد قرآن وسنت پر ہوگی۔'' اور قرآن کہتا ہے: **"والسبقون الاولون من المهاجرين والانصار، والذين اتبعوهم باحسان، رضي الله**

عنهم ورضوا عنه." لہٰذا ثابت ہوا کہ صحابہ کو رضی اللہ عنہ تسلیم کرنا قرآنی فیصلہ ہے۔ اور اسے تسلیم نہ کرنا قرآن کا انکار ہے۔ اس عقیدے کی بنیاد قرآن ہے، تم بتاؤ! تمہارے مذہب کی بنیاد کیا چیز ہے؟

۵۔ پانچواں اِعتراض: اہل بیت سے محبت ختم کرنے کی سازش ہے:

تحفظ بنیاد اسلام بل کے حوالے سے پانچواں اعتراض یہ ہے کہ: ''یہ بل اہل بیت کی محبت ختم کرنے کی سازش ہے۔''

جواب: اس بل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج، اولاد اور اولاد دَر اولاد کے اسمائے گرامی کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' لکھنے کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس میں محبت ختم کرنے والی کون سی چیز ہے؟

ہمارا اور اہل تشیع کا اختلاف اہل بیت سے ''محبت'' کے حوالے سے نہیں، اہل بیت کے ''مصداق'' اور ''تعین'' کے حوالے سے ہے، ہم کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اہل بیت میں شامل ہیں۔ وہ کہتے ہیں: شامل نہیں۔ ہم کہتے ہیں: اہل بیت میں چاروں بیٹیاں شامل ہیں۔ وہ کہتے ہیں: صرف ایک بیٹی اہل بیت میں شامل ہے۔ صحابہ اور اہل بیت کی تقسیم کا فلسفہ اپنا کر کے فساد وہ پیدا کر رہے ہیں ہم نہیں۔

ہمارے نزدیک فضیلت کا معیار ''صحابیت'' (ایمان وصحبت) ہے۔ نوح علیہ السلام کا بیٹا ایمان نہیں لایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "**انه ليس من اهلك، انه عمل غير صالح.**". جو ایمان نہیں لایا، اسے اللہ تعالیٰ نے ''اہل'' میں شمار ہی نہیں کیا۔ معلوم ہوا، فضیلت کا اصل مدار صحابیت ہے۔ لوط علیہ السلام کی بیوی ایمان نہیں لائی، لہٰذا وہ اُن کے ماننے والے مؤمنین کی ''ماں'' (ام المؤمنین) کہلانے کی حق دار نہیں ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو اللہ تعالیٰ نے مومنین کی مائیں قرار دیا: "**وازواجه امهتهم.**". اسی سے معلوم ہو گیا کہ وہ سب صاحبِ ایمان ہیں، مرتبہ صحابیت پر فائز ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ انھیں ''مومنوں کی مائیں'' نہ فرماتے۔ اور حکم قرآنی کے تحت ازواج مطہرات بھی اہل بیت میں شامل بلکہ اصل اہل بیت ہیں۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں فضیلت کا مدار ''صحابیت'' ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج و بنات اس مرتبہ سے مشرف ہیں، لہٰذا جب ہم کہتے ہیں: ''صحابہ کرام برحق، معیارِ حق، تنقید سے بالاتر، اور یقینی جنتی ہیں۔'' تو اس فضیلت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بھی شامل ہوتی ہیں، اولاد بھی۔ کیونکہ سب کو مرتبہ صحابیت حاصل ہے۔ ہم تو سب کی محبت و عظمت کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ تفریق، انتشار اور نفرت کی دیواریں تو تم کھڑی کر رہے ہو۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ: جو لوگ نبی کی ازواج کو اپنی مائیں سمجھتے ہیں، انھیں تم مومن نہیں مانتے،

اور جنھیں مومن کہتے ہو، وہ ازواج نبی کو مائیں نہیں سمجھتے۔!!

نکتہ: حضور ﷺ کا ارشاد ہے: روزِ قیامت میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا۔ جبکہ تم کہتے ہو: چند افراد اور خاندان کے بعض لوگوں کے علاوہ کوئی مومن نہیں رہا۔؟؟ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ اور اہل بیت کی تفریق کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ اور نبی کی ازواج اور بعض بیٹیوں کو اہل بیت سے خارج قرار دینا نبی کے اہل بیت سے دشمنی کے مترادف ہے۔

۶۔ چھٹا اِعتراض: نبی کی حقیقی بیٹی صرف ایک، باقی ربیبائیں:

اس حوالے سے چھٹا اعتراض یہ سامنے آیا ہے کہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک بیٹی ہیں۔ باقی ان کی اپنی صاحبزادیاں نہیں، صرف ربیبائیں (لے پالک) ہیں۔''

جواب: قرآن پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے: **"یاایھا النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المؤمنین."** اور جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے۔ لہٰذا بیٹیوں کی تعداد تین سے کم کسی صورت نہیں ہوسکتی۔ یہ قرآنی فیصلہ ہے۔ اور اس کا اِنکار کرنے والا قرآنی تعلیمات کو ماننے کے دعوے میں سچا نہیں ہوسکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں: قرآن پاک کی اس آیت میں لفظ ''بنات'' سے ''روحانی بیٹیاں'' مراد ہیں۔ اور پوری امت کی مومنہ خواتین نبی کی روحانی بیٹیاں ہیں۔ اُن کی یہ بات درست نہیں، کیونکہ روحانی بیٹیوں کے لیے قرآن پاک کی اِسی آیت میں مستقل الفاظ ''**ونساء المؤمنین**'' موجود ہیں۔

حقیقت یہ ہے یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی تین صاحبزادیوں کا صرف اِس لیے انکار کرتے ہیں کہ حضور نے ان کی شادی سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کردی اور اہل تشیع ان سے راضی نہیں۔ اس لیے حضور کی تین بیٹیوں کا ہی انکار کردیا۔

(یہاں ہمیں امین ملت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کا بیان کردہ لطیفہ یاد آگیا، حضرت فرماتے تھے کہ: ایک پیر صاحب کے دو مرید پیر صاحب کی ٹانگیں دبا رہے تھے، ایک مرید کا ہاتھ غلطی سے دوسرے مرید کی طرف والی ٹانگ کو لگ گیا، دوسرے نے پہلے مرید کی طرف والی ٹانگ کو تھپڑ دے مارا کہ: تم نے ''میری'' ٹانگ کو ہاتھ کیوں لگایا؟ پہلے نے تھپڑ کے جواب میں مکا اور دوسرے نے مکے کے جواب میں ڈنڈا اُٹھالیا، اَب پیر صاحب چیخ رہے ہیں کہ: یہ میری ٹانگیں ہیں، اور تمہاری دھینگا مشتی میں ایذا مجھے پہنچ رہی ہے، لیکن وہ دونوں مرید مصر ہیں کہ یہ ٹانگ دوسرے کی ہے، لہٰذا میں نے اِسے نہیں چھوڑنا۔ یہی حال روافض کا ہے کہ ذخیرۂ احادیث اور تاریخی روایات چیخ چیخ کر بتا رہے ہیں کہ: باقی تینوں بھی حضور کی حقیقی بیٹیاں ہیں، لیکن رافضی مصر ہیں کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ وعمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی بیویاں ہیں، اس لیے ہم نے انھیں نہیں چھوڑنا۔ [مرتب])

۷۔ساتواں اِعتراض: یہ بل پاکستان کو سنی اسٹیٹ بنانے کی سازش ہے:

ساتواں اعتراض اس بل کے بارے میں یہ اٹھایا جارہا ہے کہ: ''یہ بل پاکستان کو سنی اسٹیٹ قرار دینے کی سازش ہے۔''

جواب: ایران ہمارا پڑوسی ملک ہے، جس کے دستور میں لکھا ہے کہ: ایران کا مملکتی مذہب اسلام اور جعفری اثناء عشری (شیعہ) ہے۔ ایران اگر شیعہ اکثریت کی وجہ سے ''شیعہ اسٹیٹ'' ہوسکتا ہے تو پاکستان سنی اکثریت کی وجہ سے ''سنی اسٹیٹ'' کیوں نہیں بن سکتا؟ حالانکہ ایران میں اہل سنت کی آبادی ۲۵/فیصد سے زائد ہے، جبکہ پاکستان میں شیعہ آبادی ۵/فیصد سے بھی کم ہے۔

اور ایران میں اہل سنت آبادی کو اُن کے بنیادی انسانی و مذہبی حقوق بھی حاصل نہیں ہیں۔ ۱۹۷۹ء سے اب تک وہاں سنیوں کو مسجد بنانے کی اجازت نہیں ہے۔ جبکہ پاکستان میں اہل تشیع کو تمام انسانی و مذہبی حقوق حاصل ہیں۔ اس کے باوجود اُن کا پاکستان کو سنی اسٹیٹ بنانے سے روکنے کی کوششیں کرنا بغاوت، شرارت اور نمک حرامی نہیں تو اور کیا ہے؟

ہمارا اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ مطالبہ پہلے بھی تھا، اَب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا کہ: پاکستان جمہوری ملک ہے، اس کا نام ہی ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' ہے، اور پاکستان کے جمہور عوام ''اہل السنۃ والجماعۃ'' ہیں۔ لہٰذا پاکستان کو ''سنی اسٹیٹ'' قرار دیا جائے۔

پاکستان کو ''سنی اسٹیٹ'' قرار دینا پاکستان کے جمہور عوام کا حق ہے، لیکن اِس بل کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں، یہ بل تو محض عظمتِ صحابہ و اہل بیت کا ہے۔ اِس بل کو اُس معاملے سے جوڑنا درست نہیں!

۸۔آٹھواں اِعتراض: ''علیہ السلام'' لکھنے سے روکا جارہا ہے:

اس بل کے متعلق آٹھواں اعتراض یہ ہے کہ: ''یہ بل ہمیں ائمہ کے نام کے ساتھ علیہ السلام لکھنے سے روک رہا ہے۔''

جواب: بل کی عبارت کو غور سے پڑھ کر اپنی غلط فہمی دُور کر لیجیے، اس بل میں یہ شق تو ضرور موجود ہے کہ: صحابہ کے نام کے ساتھ 'رضی اللہ عنہ' لکھنا لازمی ہے۔ لہٰذا اگر تم نے صحابہ کا نام لینا یا لکھنا ہے تو اس کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' لکھنا پڑے گا۔ لیکن اس بل میں کسی کے نام کے ساتھ 'علیہ السلام' لکھنے سے روکنے کی کوئی شق موجود نہیں ہے۔

البتہ یہ ملحوظ رہے کہ صحابہ کے لیے 'رضی اللہ عنہ' قرآنی عقیدہ ہے۔ جبکہ غیر نبی کے لیے ''علیہ السلام'' محض سلامتی کی دعا ہے۔ جیسے ''السلام علیکم'' سلامتی کی دعا ہے۔ دعا کے معاملے میں (کرنے نہ کرنے

کا اختیار ہے، اور) کس کے لیے کی جائے، اس میں بھی اختیار حاصل ہے، لیکن عقیدہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں چھوڑا جاسکتا۔ لہٰذا غیر نبی کے لیے ''علیہ السلام'' کی دعا کوئی کرنا چاہیے تو اس کی مرضی، لیکن صحابہ کو ''رضی اللہ عنہ'' تسلیم کرنا ایمان کا حصہ ہے۔

۹۔ نواں اِعتراض: یہ بل غیر ضروری ہے:

نواں اعتراض یہ کیا جارہا ہے کہ: ''یہ بل غیر ضروری ہے۔ مسلمانوں کو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔''

جواب: ۱۹۸۰ء میں پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے اتفاق کے بعد اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش پر تعزیرات پاکستان میں ایک قانون منظور ہوا تھا، اس میں یہ شامل ہے کہ: امہات المؤمنین، اہل بیت رسول، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی کی بھی توہین کرنے والے کو تین سال قید، یا کوڑوں یا دونوں کی سزا دی جاسکتی ہے۔ گویا یہ قانون ہمارے ملک میں پہلے سے موجود ہے۔ چاروں نشان زد طبقات کی صراحت اس میں بھی موجود ہے۔

ہمارا سوال یہ ہے کہ موجودہ بل میں نئی چیز کیا ہے؟ جب یہ بل تمام مکاتب فکر کے منظور کردہ قانون کی ہی دوسری جہت پر مشتمل ہے تو اسے ''غیر ضروری'' کہنا چہ معنی دارد؟

کسی شخصیت کے بارے میں دو رویے ہوسکتے ہیں، توہین کا یا تعظیم کا۔ ۱۹۸۰ء کے قانون میں ان شخصیات کی توہین سے روکا گیا تھا۔ جبکہ موجودہ بل میں ان کی تعظیم کا پابند کیا گیا ہے۔ گویا اُس میں کافروں کو مقدس شخصیات کی توہین سے روکا گیا تھا، جبکہ موجودہ بل میں مسلمانوں کو تعظیم کا پابند بنایا گیا ہے۔ (لہٰذا جو شخص یا گروہ اسلام کا مدعی ہے وہ صحابہ و اہل بیت کا تذکرہ پوری تعظیم کے ساتھ کرے، اور جو مسلمان نہیں ہے وہ ان کی توہین سے بچتے ہوئے ان کے تذکرے سے اپنی زبان بند رکھے۔)

۱۰۔ دسواں اعتراض: اِس بل کا عنوان غیر واضح ہے:

دسواں اعتراض یہ کیا جا رہا ہے کہ: ''اس بل کا عنوان ''تحفظ بنیاد اسلام'' رکھا گیا ہے، اور مندرجات صحابہ سے متعلق ہیں، عنوان کا زیر بحث مسئلے سے تعلق ہماری سمجھ سے باہر ہے۔''

جواب: یہ بات سمجھنے کے لیے اسلام کی بنیاد سمجھنا ضروری ہے: اسلام کی بنیاد دو چیزیں ہیں: اللہ کا قرآن اور نبی کی سنت۔ اور یہ دونوں چیزیں امت تک پہنچانے کا ذریعہ صحابہ کرام ہیں۔ قرآن و سنت ہم تک پہنچایا بھی صحابہ نے، اور قرآن و سنت کا عملی نمونہ بھی ہمیں صحابہ نے ہی دکھایا۔ لہٰذا اگر ہم صحابہ کو 'اسلام کی بنیاد' تسلیم نہ کریں تو نہ صرف قرآن و سنت کے عملی نمونہ بلکہ قرآن و سنت سے ہی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

فواد چوہدری کا شوشہ: مذہب کی بنیاد پر قانون سازی کی گئی تو ملک پر آفت آجائے گی:

دینی معاملات میں دخل اندازی کے انتہائی شوقین، سائنس وٹیکنالوجی کے وفاقی وزیر جناب فواد چوہدری نے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ: ''اگر مذہب کی بنیاد پر قانون سازی شروع کردی گئی تو ملک پر آفت آجائے گی۔''

جواب: جس دستور کا حلف اٹھا کر فواد چوہدری صاحب اسمبلی کے ممبر بنے ہیں، اس میں تین چیزیں بڑی وضاحت کے ساتھ درج ہیں، فواد چوہدری صاحب کو چاہیے کہ مذہبی معاملات میں ٹانگ اَڑانے سے قبل دستور کا مطالعہ کرلیں! جس کا آرٹیکل ۲ / صاف لفظوں میں کہتا ہے کہ: ''اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہے۔'' جب اسلام پاکستان کا ریاستی مذہب ہے تو یقیناً قانون سازی کی بنیاد بھی اسلام ہی ہوگا۔

اور آرٹیکل ۲۲۷ / بھی دیکھ لیجئے! جس میں لکھا ہے کہ: اب تک جو قانون موجود ہیں انھیں قرآن و سنت کے مطابق بنانا اور آئندہ قرآن وسنت کے دائرے میں رہ کر قانون سازی کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔'' اور لازمی بات ہے کہ جو قانون قرآن وسنت کی روشنی میں بنے گا وہ ''مذہبی'' ہی ہوگا۔

اگر فواد چوہدری صاحب کو دستور پڑھنا نہیں آتا تو کم ازکم اُس ملک کا پورا نام ہی ذہن میں رکھ لیں، جس کے وہ وفاقی وزیر ہیں۔ اس ملک کا پورا دستوری نام ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' ہے۔ اور جناب وزیر نے جو حلف اٹھایا ہے، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ: ''میں اسلامی نظام حیات کی پوری پاسداری کروں گا۔''

اراکین پنجاب اسمبلی کو خراج تحسین:

پنجاب اسمبلی سے پاس ہونے والے اس بل کی ہم پوری تائید کرتے ہیں، اور جناب گورنر سے درخواست کرتے ہیں کہ زلفی بخاری جیسے لوگ آپ کو بہکانے کی کوشش کررہے ہیں کہ آپ اس بل پر دستخط نہ کریں، لیکن یہ بل پاکستان کی ۹۵ / فیصد اکثریت کی آواز ہے۔ اور عوامی نمائندوں نے آپ کے حوالے کیا ہے۔ اِس لیے تذبذب میں مبتلا ہونے کے بجائے اسے فوری طور پر منظور کر کے قانون کا حصہ بنائیں۔

اور ہم پنجاب کے وزیر اعلیٰ جناب عثمان بزدار، اُن کی پوری کابینہ اور خصوصاً پنجاب اسمبلی کے اسپیکر جناب پرویز الٰہی، پنجاب اسمبلی میں اس بل کے لیے بنائی جانے والی کمیٹی (جس میں جناب حمزہ شہباز بھی شامل تھے) اور پوری پنجاب اسمبلی کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں کہ ملک کی ۹۵ / فیصد اکثریت کی آواز اسمبلی میں منوائی ہے۔ (اللہ کرے قومی اسمبلی سے بھی یہ قانون منظور ہوجائے۔ آمین)

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی محمد طیب [مدیر: جامعہ امدادیہ فیصل آباد]

کیا قانون ہاتھ میں لینا جائز ہے؟

سوال سے پہلے سوال کا سماجی تناظر اور مکمل تفصیل بتائیں، ادھورے سوال پر پورے جواب کی امید حد سے بڑی ہوئی سادگی ہے۔

سوال یہ ہے کہ عام آدمی کے لیے قانون ہاتھ میں لینا جائز ہے یا نہیں؟

مجھے نہیں معلوم کہ کسی مکتبہ فکر کے ذمہ دار دارالافتاء نے یا کسی ایسی ذمہ دار شخصیت نے جو اپنے طبقے میں مرجع اور ذمہ دار شمار کی جاتی ہو، اس نے کسی دینی یا دنیاوی معاملہ میں قانون ہاتھ میں لینے کو جائز کہا ہو۔

عام حالات میں یہی مسئلہ بتایا جائیگا، لیکن جب کوئی قومی سطح کا وقوعہ ہو جائے، وہاں اجمالی سوال اور اجمالی جواب ناکافی ہوتا ہے، لوگ جب اسے وقوعہ کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو جواب ناکافی محسوس کر کے مایوس ہوتے ہیں اور ایسا جواب واقعہ سے بھی عموماً مطابقت نہیں رکھتا، بے موقع صحیح مسئلہ کا اثر بھی بسا اوقات غلط ہوتا ہے، جیسے حدود آرڈیننس میں اصلاح کی گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن جب پرویز مشرف نے اس آرڈیننس میں ترمیم کی بات کی تو بعض دانشوروں نے اس موقع پر ضرورت اصلاح پر بات شروع کر دی، جس سے اس قانون میں ضروری اصلاح تو نہ ہونی تھی اور نہ ہوئی، ہاں البتہ پرویز مشرف کے منفی مقاصد کو ضرور تقویت پہنچی، اور یہ دانشور یہی کہتے رہے کہ: **ان أرید الا الاصلاح ما استطعت.**

بات ہو رہی تھی کہ لمبے واقعہ میں سارا واقعہ چھوڑ کر آخری حصہ سے متعلق مجمل سوال کرنا بے انصافی ہوتی ہے۔ مثلاً: پشاور میں طاہر نسیم کذاب کے بارہ میں چھ سالہ جھوٹے دعاوی اور ان کی تبلیغ کا سر عام تسلسل ہے اور ریاست کوئی نوٹس نہیں لیتی، مسلمانوں نے دلائل کے ساتھ افہام و تفہیم کا سالہا سال سلسلہ جاری رکھا، یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے کسی مسلمان نے مشتعل ہو کر اس کو قتل تو دور کی بات ہے، اسے زدو کوب تک نہیں کیا، مسلمانوں کی آبادی میں آزادانہ گھومتا رہا، دو سال قبل اسے قانون کے حوالے کیا گیا لیکن اس کے ڈھٹائی کے ساتھ واضح دعاوی کے باوجود عدلیہ ٹال مٹول سے کام لیتی رہی۔ اور اتنے اہم معاملے کو غیر اہم فائلز کے بوجھ تلے دبانے کی کوشش کی جاتی رہی۔ آخر ایسا کیوں ہوتا رہا؟

اس لیے کہ اس وقت عالمی دباؤ بھی نعوذ باللہ ناموس رسالت کے قانون کے خاتمہ کا ہے، اور جب

تک اس قانون کا خاتمہ نہیں ہوتا تو اسے معطل رکھے جانے کا دباؤ ہے، اس لیے حکومت اور اعلیٰ عدلیہ ایک عرصہ سے عالمی تقاضے پورے کرنے کے راستہ پر گامزن ہے، پہلے چھوٹی عدالتیں ناموس رسالت کے مسئلہ پر سنگین مجرموں کو سزائیں سناتی تھیں اور ہائی کورٹس اسے برقرار رکھ رہی تھیں، ہائی کورٹ سے اوپر کی سطح پر جا کر مجرموں کو عالمی ریلیف مل جاتا تھا، لیکن اب اس مقدمہ میں جب نچلی عدالت بھی ٹال مٹول کے راستہ پر چل رہی تھی، ایسے واضح کیس میں کیس کو التواء میں ڈالے رکھنے کا حاصل یہ ہے کہ ہم ایسی ریاست میں رہتے ہیں جہاں تحفظ ناموس رسالت کا قانون عملاً ختم ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایک باغیرت نوجوان جو سالہا سال کی ارتدادی سرگرمیوں سے کوئی کاروائی نہ ہونے کی وجہ سے دیگر مسلمانوں کی طرح مایوس تھا اور ملزم کے بیان سے وقتی اشتعال میں آکر غیرت ایمانی میں اسے قتل کر دیا تو اس کا حکم شرعی کیا ہے؟

قانون ہاتھ میں لینا ہر جگہ ناجائز نہیں ہوتا:

تو یہ بات واضح رہے کہ قانون ہاتھ میں لینا ہر جگہ ناجائز نہیں ہوتا۔ اسلام کا قرآنی اصول ہے کہ:
کوئی شخص کسی کو اپنی آنکھوں سے زنا کرتا دیکھے تو زانی پر دعویٰ کرنے کے لیے چار گواہ پیش کرنا ضروری ہیں، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: اگر میں (بالفرض) اپنی بیوی کے ساتھ کسی (اجنبی) مرد کو پالوں تو کیا میں اس کو اس وقت ہاتھ تک نہ لگاؤں اور چار گواہ لیکر آؤں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ہاں (دعوائے زنا چار گواہوں کی بنیاد پر ہی سنا جائے گا، یہ آیات لعان کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہوگا)۔

حضرت سعد ابن عبادہؓ نے فرمایا کہ: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا (کہ میں چار گواہ مہیا کرتا پھروں بلکہ) میں اسی وقت تلوار سے اس کا کام تمام کردوں گا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے سردار کی بات توجہ سے سنو، بیشک یہ (تمہارا سردار) بہت غیرت مند ہے، اور میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والے ہیں۔ حدیث شریف کا عربی متن یہ ہے: عن أبي هريرة قال: قالَ سَعْدُ بنُ عُبادَةَ: يا رَسولَ اللهِ، لو وَجَدْتُ مع أَهْلِي رَجُلًا لَمْ أَمَسَّهُ حتّى آتِيَ بأَرْبَعَةِ شُهَداءَ؟ قالَ رَسولُ اللهِ ﷺ: نَعَمْ، قالَ: كَلّا والَّذِي بَعَثَكَ بالحَقِّ، إنْ كُنْتُ لَأُعاجِلُهُ بالسَّيْفِ قَبْلَ ذلكَ، قالَ رَسولُ اللهِ ﷺ: اسْمَعُوا إلى ما يقولُ سَيِّدُكُمْ، إنَّه لَغَيُورٌ، وَأَنا أَغْيَرُ منه، واللَّهُ أَغْيَرُ مِنِّي. [صحیح مسلم]

حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ قسم کھا کر قانونی تقاضے پورے نہ ہوسکنے کی صورت میں مجرم سے تلوار کے ساتھ خود نمٹنے کا کہہ رہے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کئی طرح سے تعریف فرمارہے ہیں،

۱۔انہیں سردار فرمارہے ہیں۔

۲۔مسلمانوں کوان کی بات کی طرف متوجہ فرمارہے ہیں۔

۳۔ان کی بات کا منشا غیرتِ محمودہ بتارہے ہیں۔

۴۔ان کی غیرت کو اپنی اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کے ساتھ ملاکر بیان فرمارہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرہ برابر بھی حضرت سعد کے جذبہ کی حوصلہ شکنی نہیں فرمائی۔آج بھی کوئی شخص گھر میں آنے والے ڈاکو کو فائر کر کے قتل کردے، یا بینک ڈیوٹی کے دوران بینک کا پرائیویٹ کمپنی کا گارڈ ڈاکوؤں کو مار کر بینک کو ڈکیتی سے محفوظ کرلے تو اسے ریاستی اداروں کی نظر میں بھی قابل تعریف سمجھا جاتا ہے، بلکہ کچھ عرصہ قبل کراچی میں ایک خودکش حملہ آور کو روکنے والے طالب علم جس کا نام غالباً معاذ تھا ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا رہا کہ اس نے اپنی جان پر کھیل کر ہزاروں جانوں کو تحفظ فراہم کیا ہے تو کیا ایمان سے جان زیادہ قیمتی ہے کہ جانیں بچانے والے کو تو ہیرو کہا جائے اور ایمان پر حملہ آور کو ختم کرنے والے کو قانون ہاتھ میں لینے کا طعنہ دیا جائے؟ کچھ عوامی اقدامات کو پوری انسانیت بھی نظر استحسان سے دیکھتی ہے۔

فرقہ وارانہ قتل بڑھنے کا اندیشہ:

ایک خدشہ ہے کہ اس سے فرقہ وارانہ فسادات بھڑک اُٹھیں گے،کہا جاتا ہے کہ ناموس رسالت کے مسئلے میں قانون ہاتھ میں لینے کی حوصلہ شکنی نہ کی گئی تو اللہ نہ کرے فرقہ وارانہ بنیادوں پر قتل عام شروع ہوسکتا ہے۔جن کا یہ خیال ہے ان کا مقصد بھی مسلمانوں کی خیرخواہی ہے،لیکن یہ اندیشہ زمینی حقائق کی روشنی میں چنداں وزن نہیں رکھتا، ہر جائز کام کے کچھ منفی اثرات ہوتے ہیں، جیسے اپنی جان یا مال،عزت اور آبرو کے دفاع میں مقابلہ میں مجرم کو عام آدمی کا قتل کرنا جائز ہے،لیکن اس عنوان سے کوئی بے گناہ کو بھی قتل کرسکتا ہے،فرقہ وارانہ تکفیر جیسے عوام میں مقبول نہیں ہے، ایسے ہی اس بنیاد پر قتل کو بھی عوام استحسان کی نظر سے نہیں دیکھتے، اکادکا واقعات اگر ہوئے ہیں تو کسی مکتبہ فکر نے ایسے شخص کو ہیرو نہیں بنایا، جیسے فیصل خالد اور حضرت ممتاز قادری شہید کو بلاتفریق مسلک علماء سے زیادہ عوام میں پذیرائی ملی ہے۔قومی ہیروز اور مجرم ایک جیسے کیسے ہوسکتے ہیں؟ **افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون.**

سب سے زیادہ فرقہ وارانہ دُوری شیعہ سُنی میں ہے، جید علماء کی طرف سے کفر کے فتوے بھی آئے، لیکن خطے کے مخصوص حالات سے قبل کوئی ایسا دیوانہ نہیں اٹھا جس نے غازی علم دین کی طرح قتل کر کے اس پر اعلانیہ فخر کیا ہو، فرقہ وارانہ قتل عام تو دُور کی بات ہے، ہمارے ہاں آئینی طور پر طے شدہ کافر قادیانی بھی ملک میں امن وامان کے ساتھ مسلمانوں کی آبادیوں میں رہ رہے ہیں، یہ اکا دکا اٹھنے والے غازی تو تنگ آمد بجنگ آمد والی بات ہے۔ غازی ممتاز قادری شہید کے اقدام نے جو کام کیا وہ بڑی بڑی تحریکیں نہیں کر سکتی تھیں۔

تحفظ ناموس رسالت کے خاتمے کے عالمی ایجنڈے کو لے کر پیپلز پارٹی کے سلمان تاثیر پوری قوت سے اُٹھے تھے، اپنے عہدے کی وجہ سے انہیں قانون کی گرفت سے استثنیٰ بھی حاصل تھا، اس کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کے لیے روک تھام ناممکن تو نہیں تھی لیکن انتہائی مشکل ضرور تھی، اس حالت میں قادری شہید کے اقدام نے بڑھتے قدموں کو روک لیا، اس طرح عالمی ایجنڈا بہت پیچھے چلا گیا، قادری شہید نے تو امت مسلمہ کی طرف سے فرض ادا کیا، ہم اس کے اقدام کی ایک محتمل اندیشے کی بنا پر حوصلہ شکنی کریں، کیسی بے انصافی ہوگی!

پھر مسلم لیگ (ن) کی حکومت نے سینکڑوں سزائے موت کے قیدیوں کو چھوڑ کر ممتاز قادری کو جلد بازی میں پھانسی دی، اپنے زعم کے مطابق انہوں نے سیاست دانوں اور لادین عناصر کو تحفظ فراہم کر دیا کہ آئندہ کوئی عاشق رسول قادری جیسا اقدام نہیں کریگا، لیکن موجودہ واقعہ نے ثابت کر دیا کہ ناموس رسالت کے پروانے ہر وقت موجود رہتے ہیں اور رہیں گے، علمائے کرام کو وقوعہ سے پہلے انتہائی اقدام کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے نوجوانوں کو مکالمہ اور افہام وتفہیم کی راہ دکھانی چاہیے، لیکن صحیح موقع پر صحیح اقدام کے بعد فرض کفایہ کی ادائیگی کی حوصلہ شکنی بھی نہیں کرنی چاہیے، اگر اہل علم کی طرف سے ایسے دل گردے والے غازیوں کی حوصلہ شکنی ہوتی رہی تو یہ زمین درندوں سے بھر جائے گی، حد سے بڑھتے ہوئے ظلم جس کا مداوا قانون نہ کر سکتا ہو اس میں قانون کا معاون بننا چاہیے، عالمی دباؤ قاضیوں کے لیے ہوتا ہے، غازیوں کے لیے نہیں اور ایسے غازی قاضیوں کی لیے آسانی پیدا کر دیتے ہیں۔

محمد طیب

جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

۱۴/ ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ/ ۵/ اگست ۲۰۲۰ء

جناب نثار معاویہ صاحب قسط:۱

معیتِ حبیبِ مظہر، درِ محبوبِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

جسے چاہا در پہ بُلا لیا جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

اس حقیقت میں ذرہ بھر بھی شبہ یا مبالغہ نہیں کہ ناچیز کی حیثیت فی الوقت اس فالتو پرزہ کی مانند ہے جو زندگی کے کسی بھی شعبہ میں فِٹ نہیں ہوسکتا اور موجودہ کارخانہ زندگی میں ناچیز کی کسی شعبہ میں ضرورت نہیں۔اس کے باوجود جب میں اپنے پروردگار کی کرم نوازی اور عنایات کو دیکھتا ہوں کہ کس طرح اس زائد از ضرورت حیثیت والے کو کس قدر اپنے فضل وکرم سے نواز رہا ہے، اس کی اصل وجہ جو اس ناچیز کے خیال میں ہے اگر ان کا اظہار نہ کیا جائے تو یہ بہت بڑا بخل اور اُن ہستیوں کی احسان فراموشی اور ناقدری ہوگی۔اصل میں تو یہ قائد اہل سنت وکیل صحابہ کے جوتوں کا صدقہ اور فیضان ہے کہ وارثِ مسند مدنی باغبانِ گلشن مظہری جانشین قائد اہل سنت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو دامت برکاتہم کی بے بہا شفقتوں اور نوازشوں میں اُن کے زیر سایہ اُن کے قدموں میں اس فانی زندگی کے دن گزارنے کا موقع فراہم ہوا ہے۔

موضوع چونکہ عمرہ کے مقدس سفر کا ہے تو اُس حوالہ سے عرض ہے کہ آج کل حکومت کی طرف سے روز بروز حج اور عمرہ کے لیے ایسی پالیسیاں بنائی جارہی ہیں کہ مجھ جیسا تہی دامن شخص اب اس مقدس سرزمین پر حاضری کے لیے صرف سسک اور تڑپ ہی سکتا ہے، دلی تمنا اور خواہش تو ہر گھڑی رہتی ہے کہ کب اس دیارِ مقدس میں حاضری کا موقع میسر آئے۔حضرت اقدس دامت برکاتہم کی شفقتوں اور عنایات سے گاہے بگاہے حرمین شریفین میں حاضری کی اللہ اپنے فضل وکرم سے توفیق عنایت فرماتا رہتا ہے۔

اس مرتبہ عمرہ کا پیکج ایک لاکھ تیس ہزار روپے کے لگ بھگ کردیا گیا، حضرت اقدس دامت برکاتہم کی شفقتوں اور نوازشوں کی بدولت ناچیز گناہ گار کا بھی اس مقدس سفر میں حضرت دامت برکاتہم کی معیت میں شریک سفر ہونے کا پروگرام بن گیا تو اپنے پروردگار کے فضل وکرم پر حیرت زدہ رہ گیا کہ وہ کس طرح اپنے عاجز بندوں کو نوازتا ہے، اس کے بعد اس مقدس سفر پر روانگی کی تاریخ کا بڑی بے تابی سے انتظار شروع ہوا۔ انتظار کی گھڑیاں بڑی صبر آزما ہوتی ہیں، اس دوران ہر وقت دل ودماغ میں صرف یہی خیال مچلتا رہتا ہے کہ

ع کب مدینے کا سفر ہو، کب ہو در پر حاضری

عمرہ کے اس مقدس سفر کے لیے ۳/ جمادی الاولی ۱۴۴۱ھ سوموار ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۹ء کی سعودی ایئر لائن کی پرواز ایس وی ۷۰۵/ میں رات ۱۰:۳۰/ کراچی سے جدہ کے لیے نشستیں بک ہوئیں، جنھان شریف سے حضرت شیخ دامت برکاتہم، آپ کی بڑی اہلیہ محترمہ، آپ کی ہمشیر، آپ کی صاحبزادی اور آپ کے فرزند محمود الرحمٰن سومرو صاحب اور ناچیز خادم سمیت چھ افراد تھے۔ بنوں ضلع سجاول سے تین افراد، حیدرآباد سے دو گروپ جو آٹھ اور چار افراد پر مشتمل تھے، وہ بھی ہمارے اس مقدس سفر میں شریک سفر تھے۔ کراچی سے اکیس افراد کے اس گروپ کی نشستیں جدہ کے لیے اکٹھی بک ہوئیں، لاہور سے اسی رات ۹:۳۰/ بجے کے جہاز سے لاہور تا جدہ کے لیے محترم جناب حافظ محمود حسن المعروف حافظ مٹھا صاحب اور اُن کے بچوں سمیت دس افراد کی نشستیں بک ہوئیں۔

اللہ اللہ کر کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور روانگی کی تاریخ آئی، الحمد للہ جامعہ مظہریہ حسینیہ کی مسجد خلفائے راشدین میں ظہر کی نماز کے بعد حضرت شیخ دامت برکاتہم کی معیت میں ہم چھ افراد تقریباً ۳:۱۵/ پر کراچی کے لیے روانہ ہوئے، حضرت شیخ دامت برکاتہم کے ہمراہ گاڑی میں اُن کے اہل خانہ جو عمرہ کے لیے جا رہے تھے اور بڑے بیٹے مولانا حفظ الرحمٰن سومرو صاحب تھے، ناچیز دوسری کار میں سامان کے ساتھ محوِ سفر ہوا۔ ٹھٹھہ سے پہلے حیدرآباد روڈ پر موضع ''دادا آباد جلیا'' میں برلب سڑک جامع مسجد سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ میں سب نے عصر کی نماز پڑھی، کراچی شہر کی حدود تک تو مقررہ وقت پر پہنچ گئے تھے، لیکن ملیر کے علاقہ میں ٹریفک بہت زیادہ جام ہونے کی وجہ سے بہت وقت صرف ہوا۔ اللہ اللہ کر کے یہ نازک مرحلہ بھی طے ہوگیا اور ائیر پورٹ پہنچے، وہاں معلوم ہوا کہ ہماری پرواز تاخیر کا شکار ہے۔ مزید معلوم ہوا کہ یہی صورت حال لاہور والی پرواز کے ساتھ بھی پیش آئی ہے۔ ہمارے سارے شریک سفر بھی ائیر پورٹ پہنچ گئے تھے، کراچی اور جنھان کے بہت سے احباب حضرت شیخ کو اس مقدس سفر پر روانگی کے لیے الوداع کہنے، دعا کی درخواست کرنے اور زیارت و ملاقات کے لیے ائیر پورٹ آئے ہوئے تھے، سب سے ملاقات کے بعد اجتماعی دعا ہوئی اور ہم ائیر پورٹ لاؤنج میں داخلے کے لیے روانہ ہوئے، سب اپنے اپنے گروپ کے ساتھ روانہ ہوئے، آخر میں ناچیز حضرت شیخ دامت برکاتہم کے چھ افراد پر مشتمل گروپ کے ساتھ سامان سنبھالے لاؤنج میں داخل ہوا، سامان بک کروایا، بورڈنگ کارڈ حاصل کیے۔ امیگریشن کے مراحل سے فارغ ہوئے تو ائیر پورٹ انتظامیہ نے ہم سب کو انتظار گاہ میں بٹھا دیا، وہاں الحمد للہ حضرت شیخ دامت برکاتہم کی امامت میں اطمینان سے نمازیں ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، ائیر پورٹ انتظامیہ کی طرف سے سینڈوچ، بسکٹ اور کشمیری چائے سے تواضع کی گئی۔

رات ۱۲:۳۰/ بجے کے بعد (جب ۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ء جو ۳۱/ دسمبر ۲۰۱۹ء منگل کی تاریخ شروع ہوگئی) جہاز میں بٹھانے کا اعلان کیا گیا، الحمد للہ اعلان کے بعد سب نے بڑی سہولت سے نوافل پڑھے اور عمرہ کا احرام باندھا۔ کچھ دیر بعد جہاز میں بیٹھنے کا مرحلہ بھی مکمل ہوگیا۔ ۱:۱۵/ بجے جہاز نے کراچی ائیر پورٹ سے جدہ کے لیے پرواز شروع کی اور بحمد اللہ چار گھنٹے بعد جدہ ائیر پورٹ پہنچ گیا، سعودیہ میں اُس وقت صبح کے ۳:۱۵ بجے تھے، سامان وصولی، کسٹم اور امیگریشن کے مراحل سے گزر کر ہم ائیر پورٹ سے باہر آئے تو وہاں لاہور سے آئے ہوئے احباب حافظ مٹھا صاحب کی سرپرستی میں مل گئے۔ نماز فجر کا وقت ہوگیا تھا، لہٰذا حج ٹرمینل کی مسجد میں حضرت شیخ دامت برکاتہم کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کی سعادت ملی۔ پھر حج ٹرمینل جدہ سے ہمیں اور لاہور والوں کو دو الگ الگ کوسٹر ویگن میں بٹھا کر مکہ مکرمہ روانہ کیا گیا، سعودی وقت کے مطابق صبح کے ۸/ بجے ہم مکہ مکرمہ میں ''شاہراہِ ابراہیم خلیل'' پر واقع اپنی قیام گاہ (فندق مسارات المملكة Masarat Kingdom Hotel) پہنچے جو کہ حرم شریف سے بہت ہی قریب تھی۔ یہاں پہلے سے کمروں کی بکنگ ہوچکی تھی، حافظ مٹھا صاحب کی گاڑی پہلے وہاں پہنچ چکی تھی، انہوں نے حضرت شیخ دامت برکاتہم کے مشورے سے سب احباب کو الگ الگ گروپ کے حساب سے الگ الگ کمروں کی چابیاں دیں۔ الحمد للہ حضرت شیخ دامت برکاتہم نے ناچیز خادم کو اپنے کمرے میں اپنے ساتھ جگہ مرحمت فرمائی۔ اس کمرے میں صرف ہم دو ہی تھے، حالانکہ کمرے میں چار افراد کی رہائش کا انتظام موجود تھا۔ بعد میں حاجی عبدالغفار صاحب حیدر آباد والے بھی اسی کمرے میں آگئے۔ (اس بلڈنگ میں دو عدد لفٹیں لگی ہوئی تھیں اور سیڑھیاں الگ سے تھیں، تمام احباب کو اپنے اپنے گروپ کے لحاظ سے مختلف منزلوں اور کمروں میں ٹھہرانے کا اہتمام کیا گیا تھا)۔

کچھ دیر بعد عمرہ کی ادائیگی کے لیے حرم شریف کی طرف روانہ ہوئے باب فہد سے حرم شریف میں داخل ہوئے، جب بیت اللہ شریف پر نظر پڑی تو بے اختیار دعا کے لیے ہاتھ اُٹھ گئے اور آنسو رواں ہوگئے، حضرت شیخ دامت برکاتہم کی معیت میں سب شامل دعا تھے، جن جن احباب نے بندہ ناچیز کو بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑنے پر دعا کا فرمایا تھا، سب کے نام ذہن کی سکرین پر گھومنے لگے، الحمد للہ سب سے کیا وعدہ پورا ہوا، سب کے اُن کی خواہش کے مطابق دعا مانگی اللہ قبولیت سے نوازیں (آمین) جب یہ دعا والا مرحلہ ختم ہوا تو طواف کے لیے مطاف کی طرف قدم اُٹھنے لگے۔

حضرت شیخ دامت برکاتہم نے رائے دی کہ تمام خواتین اپنے محرموں کے ساتھ طواف کریں، اور اپنے اہل خانہ کو اپنے بیٹے محمود الرحمٰن کے ساتھ طواف کرنے کا فرمایا، حضرت شیخ دامت برکاتہم خود دوسرے

احباب کے ساتھ طواف کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت کی بیٹی نے کہا کہ: ہم تو آپ کی معیت میں ہی یہ سعادت حاصل کریں گے، سب نے اپنے اپنے گروپ کے ساتھ طواف شروع کیا، حضرت نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ طواف شروع کیا، الحمدللہ اس ناچیز خادم کو بھی حضرت کی معیت میں طواف کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت شیخ دامت برکاتہم کی بیٹی نے اپنی خواہش کی تکمیل میں طواف کے سات چکروں میں حضرت کا بازو تھامے رکھا، اس طرح حضرت کی معیت میں طواف کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

طواف کے بعد مقام ابراہیم سے پیچھے بائیں طرف ہٹ کر طواف کے نفل ادا کرنے کی سعادت ملی، ناچیز کو قریب پڑے کولروں سے حضرت شیخ کو پلانے کے لیے آبِ زم زم لانے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ باقی احباب نے بھی آب زم زم پیا۔ یہاں حیدرآباد کے گل حسن صاحب بھی اپنے گروپ کے ساتھ مل گئے۔ اس کے بعد سعی کے رکن کی ادائیگی کے لیے صفا کی طرف روانہ ہوئے۔ تعمیری کاموں کی وجہ سے راستہ اِس طرح تھا کہ دوسری منزل کے مطاف سے گزرنا پڑتا تھا، جب وہاں حجر اسود مقابل ہوا تو حضرت شیخ دامت برکاتہم نے فرمایا: یہاں طواف کا 9واں استلام کرلیں، وہاں سب نے حجر اسود کا استلام کیا اور پھر صفا سے حضرت شیخ کی دعا کے بعد سعی کا عمل شروع کرنے کی سعادت اسی طرح ہر چکر کے اختتام پر مروہ اور صفا پہ حضرت شیخ کی معیت میں دعا مانگنے کی سعادت نصیب ہوئی، مروہ پر ساتواں چکر مکمل کیا، دعا کے بعد دیکھا تو دوپہر کے ۱۲:۱۰ رہو گئے تھے، ۱۲:۲۸ رپر ظہر کی اذان کا وقت تھا، صفاء مروہ کے درمیان ایک طرف بیٹھ گئے، کچھ ہمراہیوں کا انتظار بھی تھا، ظہر کی نماز وہیں پڑھی، پھر کچھ مزید وقت بھی انتظار میں گزر گیا، تقریباً ایک گھنٹہ انتظار کے بعد حرم شریف سے بابِ فہد کے راستے باہر آئے۔

حضرت شیخ نے شرکہ مکہ ٹاور کے سامنے مستورات کے احاطہ میں مستورات کو بٹھایا اور مرد الگ دوسری جگہ بیٹھے، حضرت نے بن، برگر اور چائے سے سب کی تواضع فرمائی، پھر رہائش گاہ پر آ کر حلق کرایا اور احرام کھول دیا۔ پھر آرام کیا، تقریباً پانچ بجے اُٹھ کر رہائش گاہ پر ہی حضرت شیخ کی امامت میں حاجی عبدالغفار صاحب اور ناچیز نے نماز عصر پڑھی۔ پھر مغرب کی نماز کے لیے حرم شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ **دار التوحید انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل** (جو باب فہد کے ساتھ ہے) کے سامنے صحن میں نماز مغرب اور عشاء پڑھی، کئی احباب زیارت وملاقات کے لیے آئے، پچھلے اسفار میں حضرت شیخ کا معمول تھا کہ ساری نمازوں میں حرم شریف کے اندر ہی تشریف لے جاتے تھے۔ لیکن رش کی وجہ سے انتظامیہ وقفہ وقفہ سے حرم شریف کے داخلی راستے بند کر دیتی تھی، اِس طرح جو احباب حضرت شیخ کی زیارت وملاقات کے لیے آئے ہوتے اُن کے لیے بہت مشکل پیش آتی تھی۔ کئی حضرات نے حضرت شیخ کو فون پر اطلاع دی کہ اندر آنے

کے راستے بند کر دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا اَحباب کی سہولت کی خاطر حضرت شیخ نے مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت کو اِس جگہ کے لیے مختص فرما دیا، اب حرمین شریفین کے تقریباً ہر سفر میں مغرب وعشاء کا درمیانی وقت اس جگہ قیام فرمانا حضرت شیخ کا معمول بن گیا ہے۔ یقیناً یہ حضرت شیخ کی اپنے مریدین ومتوسلین پر شفقت کی علامت ہے۔

عشاء وہیں پڑھ کر ہم رہائش گاہ آئے، کھانا کھایا۔ (حضرت نے اپنے فرزند محمود الرحمٰن سلمہ کے ذمہ لگایا کہ اہل خانہ کی ضروریات کا خیال آپ نے رکھنا ہے۔) کیونکہ تھکاوٹ بہت زیادہ ہوگئی تھی اس لیے کھانا کھا کر جلدی سو گئے۔

۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱، یکم جنوری ۲۰۲۰ء بروز بدھ:

صبح تقریباً چار بجے حضرت شیخ کی معیت میں حرم شریف حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، حاجی عبدالغفار صاحب بھی ہمراہ تھے۔ لفٹ کے ذریعے نیچے آئے تو بنوں کے تینوں ساتھی بھی حضرت شیخ کے انتظار میں بلڈنگ کے استقبالیہ ہال میں بیٹھے تھے، وہ بھی ساتھ ہی حرم شریف آگئے، بابِ فہد سے حرم شریف میں داخل ہوئے، حضرت شیخ کو بغیر برف والے کولر سے آب زم زم پیش کیا، مطاف میں جانے والے راستے کے دائیں طرف بابِ فہد کے پہلے ہال میں حضرت شیخ دامت برکاتہم اور دیگر ساتھی اپنے اپنے معمولات میں مصروف ہو گئے۔ (تہجد کے وقت اکثر حضرت شیخ کا یہاں ہی بیٹھنے کا معمول ہوتا ہے۔) ناچیز کے دل میں طواف کرنے کی بہت خواہش تھی، ابھی مطاف میں جانے والا راستہ کھلا تھا تو ناچیز مطاف میں چلا گیا، (حرم شریف میں جوں جوں رش کے اوقات شروع ہوتے ہیں تو وہاں کی انتظامیہ وقفہ وقفہ سے داخلی راستے بند کرتی چلی جاتی ہے تاکہ زائرین کو مشکل پیش نہ آئے اور وہ سہولت اور سکون سے اس مقدس جگہ پر عبادت کر سکیں)۔ الحمد للہ تہجد کے وقت میں طواف کعبہ کی عظیم سعادت نصیب ہوئی، یہ اُس مالک کی بہت بڑی کرم نوازی ہے ورنہ ناچیز گناہ گار اس قابل کہاں تھا۔ نماز فجر سے پہلے اُسی ہال میں واپس آگیا جہاں حضرت شیخ تشریف فرما تھے، تاکہ میری وجہ سے انھیں انتظار کی کوفت نہ ہو۔ (مطاف سے واپسی کے لیے تو آدمی آسکتا تھا لیکن جانے کے لیے سارے راستے بند کر دیئے گئے تھے۔ نماز فجر کے بعد مطاف میں جانے والے راستے کھول دیئے جاتے ہیں۔) نماز فجر کے بعد حضرت شیخ نے اپنے معمول کے مطابق شرکہ مکہ کے سامنے صحن میں بیٹھ کر ناشتہ کرایا (شرکہ مکہ میں ایک ''بوفیہ'' ہے جس میں مختلف انواع کی کافی اور چائے تیار ہوتی ہے یہاں منفرد قسم کی چائے جسے ہائی ٹی (Hi-Tea) کہتے ہیں تیار ہوتی ہے، جس میں ادرک، دار چینی اور مختلف قسم کے اجزاء شامل ہوتے ہیں، حرمین شریفین کے ہر سفر میں مکہ مکرمہ میں قیام کے دنوں میں اسی جگہ

بیٹھ کر چائے اور دیگر لوازمات منگوائے جاتے ہیں، بعض اوقات جب مغرب کے وقت باہر صحن حرم میں بیٹھنے آئیں تو تب بھی حضرت شیخ یہیں سے مخصوص چائے منگواتے ہیں) ناشتہ سے فارغ ہوکر رہائش گاہ آکر آرام کیا۔

صبح ۱۰:۳۰ بجے حضرت شیخ کی معیت میں ناچیز کو حرم شریف میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، باب فہد سے ہی داخل ہوئے، الحمد للہ حضرت کے ساتھ ہی طوافِ کعبہ کی سعادت بھی نصیب ہوئی، طواف سے فارغ ہوکر ظہر کی نماز تک مطاف میں ہی قیام رہا۔ ظہر کی نماز کے بعد قاری رحیم داد صاحب حضرت شیخ سے ملاقات کے لیے بابِ فہد کے اندر بائیں طرف کے ہال کے حصے میں آگئے۔ ان سے ملاقات کے بعد رہائش گاہ آکر کھانا کھایا اور آرام کیا۔ تقریباً پانچ بجے رہائش گاہ پر ہی حضرت شیخ کی امامت میں ناچیز نے نماز عصر ادا کی۔ حضرت شیخ فرماتے تھے کہ: سعودیہ والے اپنی فقہ کے وقت کے مطابق نماز عصر پڑھتے ہیں، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے تحت اُس وقت نماز عصر کا وقت داخل نہیں ہوتا، اس لیے آپ عصر کی نماز اپنی امامت میں وقت داخل ہونے کے بعد رہائش گاہ پر ہی ادا فرماتے ہیں۔

مغرب کی نماز کے لئے حضرت شیخ کی معیت میں حسبِ معمول سابقہ جگہ پر ہی حرم شریف کے باہر صحن میں بیٹھے، حافظ مٹھا صاحب، عزیز اللہ صاحب، عدنان صاحب، کامران صاحب اور اُن کے بیٹے اور رحمٰن چانگ صاحب بھی ہمراہ تھے، نماز مغرب کے بعد طواف کی سعادت حاصل کرنے کے لیے ناچیز حرم شریف میں حاضر ہوا، الحمد للہ عشاء کی اذان سے پہلے طواف سے فارغ ہوگیا، اس وقت ہجوم بہت زیادہ ہوتا ہے، واپسی میں بابِ فہد کے قریب پہنچا تو رش کے باعث وہیں جماعت کا وقت ہوگیا، چنانچہ وہیں نماز پڑھی اور پھر حضرت شیخ اور دیگر ساتھیوں کے پاس اُسی جگہ پر آگیا، کچھ دیر بعد رہائش گاہ چلے گئے۔ حضرت شیخ، حاجی عبدالغفار صاحب اور ناچیز نے اکٹھے کھانا کھایا۔

شوق دا کوئی مُل نہیں (شوق کی کوئی قیمت نہیں ہوتی) ایک لاکھ روپے میں حجر اسود کو بوسہ:۔

ایک ساتھی (جو ماشاء اللہ خاصے صحت مند ہیں) نے حجر اسود کے مقام پر اُسے بوسہ دینے کے لوگوں کا جوش وخروش اور دھینگا مشتی دیکھی تو انہیں بھی زور آزمائی کا شوق پیدا ہوا اور وہ بھی حجر اسود کو بوسہ دینے والوں کے ہجوم میں کود پڑے، (حفاظتی طور پر انھوں نے اپنے پرس کو جس میں ایک لاکھ روپے پاکستانی کے سعودی ریال تھے، اپنی شلوار کی جیب میں رکھ کر زپ بند کر کے محفوظ کرلیا) کافی تگ ودو کے بعد وہ حجر اسود کو بوسہ دینے میں کامیاب تو ہوگئے لیکن اتنی دیر میں جیب کترے بھی اُن کا بٹوا نکال کر اپنی مہارت دکھانے میں کامیاب ہوچکے تھے، اُن ساتھی کو اس کا علم تقریباً ۱۵، ۲۰ رمنٹ بعد ہوا۔ وہ بتا رہے تھے کہ طاقت کے زور پر

ہجوم میں داخل تو ہوگیا اور کافی مشکل سے حجر اسود کو بوسہ بھی دے لیا، لیکن جب باہر نکلنا چاہا تو ہجوم میں اس بُری طرح پھنسا کہ صرف اُن کی گردن اور سر ہجوم سے باہر تھا، صورت حال یہ تھی کہ جسم کے کسی بھی باقی حصہ کی حرکت کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا جیسے وہ جسم کا حصہ ہی نہ ہو، ۲۰، ۲۵ ر منٹ تک میں اسی طرح ہجوم میں معلق رہا، اس طرح محسوس ہو رہا تھا کہ شاید میرا آخری وقت آ گیا ہے، اس کے بعد بڑی جدو جہد کے بعد ہجوم سے باہر نکل سکا، اُس کے ۱۵، ۲۰ ر منٹ بعد تک جب حواس بحال ہوئے تو معلوم ہوا کہ کتنی مہارت سے شلوار کی جیب کی زپ کھول کر میرا بٹوہ نکال لیا گیا، جس کا مجھے معمولی احساس بھی نہیں ہوا۔

یہ واقعہ سن کر حضرت شیخ نے حجر اسود کو بوسہ دینے کا اپنا واقعہ سُنایا، فرمایا: ایک مرتبہ حج کے بعد ہمارے مکہ مکرمہ قیام کے دوران محرم کا مہینہ شروع ہو گیا، اُس وقت تک اکثر حجاج اپنے ملکوں کو واپس جا چکے تھے، ایک رات کو دس بجے کے بعد ہم حرم شریف میں گئے تو مطاف بالکل خالی تھا، جب ہم پہنچے تو حجر اسود پہ ڈیوٹی پر مامور شرطہ بھی ہمارے پہنچنے پر وہاں سے چلا گیا، گویا غیبی طور پر حجر اسود کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ہمیں سونپ گیا، اُس رات اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا خصوصی فضل فرمایا ہم نے دل بھر کہ طواف کیے اور الحمد للہ ہر چکر پر حجر اسود کو بوسہ دینے کی سعادت بھی ملی، تقریباً تیس منٹ میں طواف کے سات چکر پورے ہو جاتے۔ حضرت شیخ نے اپنا مشاہدہ بتایا کہ حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت وہ بالکل گال کی طرح نرم و ملائم محسوس ہوتا تھا۔ حضرت نے اِس دوران اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی بُلا لیا، تقریباً 45 ر منٹ تک یہی صورتِ حال رہی۔ (یہ اللہ کی عنایت ہے جسے چاہے نواز دے، یہ بھی درحقیقت شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کا فیض اور قائد اہل سنت وکیل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ کی کرامت ہے کہ حضرت شیخ پر اُن کے اعتماد کی اللہ تعالیٰ نے اس طرح پذیرائی فرمائی جو انسانی سوچ سے بہت بالا ہے۔)

۶ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱، ۲ ر جنوری ۲۰۲۰ء بروز جمعرات:

تہجد کے وقت حسب سابق حضرت شیخ کی معیت میں حرم شریف حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، دیگر احباب کے علاوہ گل حسن صاحب حیدر آباد والے بھی ہمراہ تھے، بابِ فہد کے اندرونی ہال میں سابقہ جگہ پر سب اپنے اپنے معمولات میں مصروف ہو گئے، ناچیز کو طواف کی سعادت نصیب ہوئی، نماز کے بعد دیگر معمولات حسبِ سابق ہی رہے، حضرت شیخ اور ناچیز کے علاوہ باقی تمام احباب کا آج مکہ مکرمہ کی زیارتوں کے لیے جانے کا پروگرام تھا۔ (بنوں والے ساتھی نہ جا سکے۔) حضرت شیخ کی معیت میں ناچیز گیارہ بجے دن حرم شریف حاضر ہوا، طواف کی سعادت نصیب ہوئی، پھر ظہر تک بیت اللہ شریف کے سامنے

صحن حرم میں بیٹھنے کی سعادت ملی (بیت اللہ شریف انوارِ الٰہیہ کا مرکز نظروں کے سامنے تھا۔ سنتے آئے ہیں کہ بیت اللہ شریف میں ایک خاص کشش ہوتی ہے، اُسے دیکھتے ہی آدمی کا دل اُس کے طواف کے لیے مچلنے لگتا ہے، ناچیز گناہ گار کو بھی سابقہ اَسفارِ عمرہ میں اور اَب بھی اسی صورت کا سامنا رہا، سابقہ سفرِ عمرہ کے موقع پر حرم شریف میں تعمیری کاموں کی وجہ سے نیچے صحنِ مطاف میں صرف احرام والوں کو اجازت ہوتی تھی اس وقت بھی استطاعت کے مطابق دوسری اور تیسری منزل میں حتی المقدور طواف کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش رہتی۔ اب الحمد للہ نیچے مطاف میں طواف کرنے کی آزادی تھی، اِس لیے طواف کرنے کی خواہش بھی ہر وقت مچلتی رہتی تھی، اسی حوالے سے کئی وساوس بھی ذہن میں آتے رہتے تھے، آج جب حضرت شیخ کی معیت میں بیت اللہ شریف کے سامنے بیٹھنے کا موقعہ ملا تو اسی کے متعلق سوچتے سوچتے اچانک ذہن میں مشہور تاریخی واقعہ آگیا۔ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دوہرے داماد اور جاں نثار غلام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر قریش مکہ کے مشرکین سے مذاکرات کے لیے بھیجا تو آپ رضی اللہ عنہ حالت احرام میں تھے، مشرکین مکہ نے حضرت عثمان ذوالنون رضی اللہ عنہ کو کہا کہ آپ کو ہم اجازت دیتے ہیں کہ آپ بیت اللہ کا طواف کرلیں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی جماعت کو اجازت نہیں تو جب اجازت بھی مل گئی اور بیت اللہ بھی سامنے تھا (جسے دیکھ کر ہم جیسے گناہ گاروں کے دل بھی مچلنے لگتے ہیں) اور بیت اللہ کا طواف کیے ہوئے ایک عرصہ بیت گیا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کیا حالت ہوگی؟ لیکن کسی نے ان عشاقؓ کے متعلق کیا خوب ہی کہا ہے، ع ''پیار دی اخیر ویکھی اودھےؓ عاشقین دی'' حضرت عثمان ذوالنون رضی اللہ عنہ نے بھی عشقِ وفا کی انتہا کردی۔ شاعر نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے ۔

مے بھی ہے مینا بھی ہے، ساغر بھی ہے ساقی نہیں
جی میں آتا ہے لگادوں آگ مے خانے کو

حضرت عثمان ذوالنون رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر طواف کرنے سے انکار کرکے یہ پیغام دیا کہ اصل عبادت اطاعتِ امیر میں ہی ہے۔ ایسی عشق ووفا کی داستانیں آپ کو صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری اور جان نثار جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہی ملیں گی جن کا آج انسانی سوچ تصور بھی نہیں کرسکتی، یہ تو مکہ مکرمہ کا منظر تھا ادھر حدیبیہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جان نثار صحابہ رضی اللہ عنہ کی مقدس جماعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں، یارسول اللہ! عثمان رضی اللہ عنہ کتنے خوش نصیب ہیں کہ ایک تو آپ کی سفارت کا اعزاز حاصل کیا دوسرا بیت اللہ کا طواف بھی کریں گے۔ ادھر مکہ میں جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عشق ووفا کی انتہا کردی تھی اسی

طرح یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر اعتماد کی انتہاء فرمادی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ ہمارے بغیر طواف نہیں کرے گا، جب حالات بدلے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس حدیبیہ تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب صحابہ رضوان اللہ علیہم کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا عثمان رضی اللہ عنہ آپ نے اس دوران کعبہ کا طواف کیا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سارا واقعہ عرض کر دیا اور اپنا جواب بھی عرض کر دیا اور کہا کہ: عثمان کس طرح گوارا کرسکتا ہے اُس کا محبوب تو طواف سے محروم رہے اور عثمان اکیلا طواف کرلے، میں نے مشرکین مکہ کی پیش کش اُن کے منہ پر ماردی۔ جب یہ واقعہ ذہن میں آیا تو الحمدللہ جو وساوس تھے اُن کا بھی خاتمہ ہوگیا، اس مقدس سفر میں اگر آدمی چشم تصور سے متوجہ ہو تو ہر جگہ اس مقدس جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایمان افروز جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں، ہر جگہ ہر گلی سے اُس مقدس جماعت کی یادیں وابستہ ہیں، اگر آدمی خیال کرے تو ہر وقت اپنے آپ کو ان مقدس ہستیوں کے قدموں میں بیٹھا محسوس کرے گا۔

ظہر کی نماز پڑھ کر ہم رہائش گاہ آگئے۔ حاجی مطیع الرحمٰن صاحب (جو چکوال کے ایک گاؤں تھر پال سے تعلق رکھتے ہیں اور ملازمت کے سلسلہ میں سعودیہ میں مقیم ہیں، ان) کا فون آیا کہ وہ ان شاء اللہ عصر تک مکہ پہنچ جائیں گے اور عمرہ سے فارغ ہو کر رابطہ کریں گے۔ حضرت شیخ نے اپنی رہائش گاہ کے قریب ایک پاکستانی عالم کی مسجد جانے کے لیے وقت دیا ہوا تھا، جب حضرت کو مطیع الرحمٰن کے فون کا بتایا گیا تو آپ نے اس پروگرام کو موقوف فرما کر اُس ساتھی کو آگاہ فرما دیا۔ عصر کی نماز حسب معمول رہائش گاہ پر حضرت شیخ کی امامت میں پڑھ کر مغرب کی نماز کے لیے حرم کے باہر مخصوص جگہ پر آگئے، تھوڑی دیر بعد حافظ مٹھا صاحب، عزیز اللہ صاحب اور عدنان صاحب بھی آگئے، مکہ مکرمہ میں مقیم ایک سندھی مولانا صاحب نے دیسی طرز کی ضیافت کی، سرخ مرچ اور دیگر اشیاء پر مشتمل چٹنی نما مرکب بن ڈبل روٹی میں لگا کر اس کے اندر زیتون کے اچار کے خشک دانے رکھ کر کھانے کے لیے پیش کیا اور ساتھ قہوہ بھی پلایا، پاکستانی کھانوں کی یاد تازہ ہوگئی، قاری رحیم داد اور کئی دیگر احباب بھی حضرت شیخ سے ملنے کے لیے آئے۔ مطیع الرحمٰن صاحب نماز عشاء کے بعد عمرہ سے فارغ ہوسکے اور آتے ہی یہ بھی بتایا کہ دیگر ساتھیوں کے ساتھ تھوڑی دیر بعد واپس بھی جانا ہے، کیونکہ ۹/۸ گھنٹے کا سفر ہے۔ کچھ دیر حضرت شیخ اُن سے محو گفتگو رہے، پھر حضرت آرام کے لیے رہائش گاہ تشریف لے گئے، میں کچھ دیر مزید مطیع الرحمٰن صاحب اور اُن کے ساتھیوں کے ساتھ رہا اور پھر انہیں رخصت کر کے رہائش گاہ پر آگیا۔ (جاری ہے۔)

☆......☆......☆......☆

حمزہ احسانی

مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی رحمہ اللہ کے بارے میں حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا بصیرت افروز تبصرہ!

گزشتہ سے پیوستہ ماہ ملک عزیز پاکستان کی مشہور و معروف شخصیت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی بھی انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی حسنات کو قبول فرمائیں، جملہ سیأت سے در گزر فرما کر مغفرت فرمائیں، پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں اور مولانا مرحوم کی حسنات کو جاری و ساری رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

کسی مسلمان کے دنیا سے جانے کے بعد ہمیں اُس کی ذاتی اور شخصی خامیوں اور انفرادی کوتاہیوں سے زبان و قلم کو بند رکھنے کا حکم ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کا غیر شرعی عمل یا نظریہ متعدی ہو تو وہ اِس سے مستثنیٰ ہے۔ اِس لیے مختلف حلقوں میں مولانا ہزاروی مرحوم کے بعض افکار و اعمال کو زیر بحث لایا جا رہا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلک و مشرب کے بجائے اُن کی ذات اور شخصیت کو اہمیت دی جا رہی ہے، اور اُن کے افعال و اقوال کو بہر صورت دائرہ جواز میں لانے کی سعی لاحاصل ہو رہی ہے۔ نیز مولانا مرحوم کی وفات، جنازہ، تدفین وغیرہ کے موقع پر اور اس کے بعد افراط و تفریط اور تشدد و تساہل کے ایسے نمونے دیکھنے میں آئے کہ راہِ اعتدال وانصاف اور مسلکی تصلب و پختگی ان کے بیچ گم ہو کر رہ گئے ہیں۔

ایک طرف بعض منکرین حیاتِ انبیاء مولانا ہزاروی مرحوم کے مسلمان ہونے پر ہی سوالیہ نشان قائم کر رہے ہیں تو دوسری طرف مولانا مرحوم کے عقیدت مند مولانا کی' خلافِ شریعت چیزوں کا بھی دفاع کرتے نظر آ رہے ہیں۔

ایک طرف اصحابِ تحریر و تقریر مولانا مرحوم کی زندگی کے بعض پہلوؤں کو پردۂ اخفا میں رکھ کر حقائق مسخ کرنے کے مرتکب ہیں تو دوسری طرف مولانا کی زندگی کے مثبت پہلوؤں کو بھی منفی رنگ دیا جا رہا ہے۔

ایک طرف مولانا کو سرِعام سب و شتم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے تو دوسری طرف مولانا کے بجائے اکابر حق اہل سنت دیوبند کی تحریرات کو اِس صورتِ حال کا ذمہ دار ٹھہرایا جا رہا ہے۔

ہماری گزارش: بنیادی چیز عقیدہ وعمل ہے:

اِس موقع پر ہماری گزارش یہ ہے کہ: ہمارے دین میں اصل اور بنیادی چیز عقیدہ وعمل ہے۔ باقی چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ لہٰذا جس شخصیت کا عقیدہ وعمل سو فیصد سنت کے مطابق ہو، اس کے لیے ثانوی چیزیں باعثِ بشارت ہیں۔ اور اگر کسی کے عقیدے یا عمل کی سنت کے ساتھ موافقت نہیں ہے تو اس کے لیے ان چیزوں کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہے۔ اِسی اُصول پر تمام معاملات کا فیصلہ بہ آسانی کیا جاسکتا ہے۔

بہت سے احباب نے غیر ضروری باتیں چھیڑ رکھی ہیں، ہمارے خیال میں بنیادی امر کی وضاحت کے بعد فرداً فرداً سب پر تبصرہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

مولانا ہزارویؒ کے عقیدہ وعمل سے متعلق دو اہم پہلو: (۱)......افکارِ علوی مالکی:

اِس بات سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مولانا مرحوم نے جناب صوفی محمد اقبال مرحوم کے زیر اثر شیخ محمد بن علوی مالکی کے غلط افکار ونظریات کی جو تائید وحمایت کی تھی، اُس سے واضح اور دوٹوک الفاظ میں آخر دم تک رجوع نہیں کیا، مولانا کا یہ طرز یقیناً نا قابل قبول اور لائق ترک ہے۔ نئے قارئین کی معلومات کے لیے ہم اختصار کے ساتھ اس کی حقیقت پیش کرنا چاہیں گے۔

شیخ محمد بن علوی مالکی اور جناب صوفی محمد اقبال مرحوم نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ: ''عرس، میلاد، تعیین وقت کے ساتھ ایصال ثواب وغیرہ کا اہتمام علمائے دیوبند کا مسلک ومشرب ہے۔'' مولانا ہزاروی مرحوم نے اُن کے اس دعویٰ کی پرزور تائید ان الفاظ کے ساتھ کی: ''(نہ صرف علمائے دیوبند بلکہ) چودہ سوسالہ محققین اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک یہی ہے۔''

اُس وقت کے اکابر اہل سنت دیوبند (مولانا قاضی مظہر حسین، مولانا یوسف لدھیانوی، مولانا عبد الشکور ترمذی، مولانا سرفراز خان صفدر، مولانا مفتی عبدالواحد رحمہم اللہ وغیرہم) نے ان حضرات کے اس دعوے کو رد کرتے ہوئے اکابر اہل سنت دیوبند کو ان بدعات سے پاک قرار دیا۔ مولانا ہزاروی مرحوم نے محققین اکابر کی بات تسلیم کرنے کے بجائے صوفی محمد اقبال مرحوم کا ہی ساتھ دینے کو پسند کیا۔ سات (۷) سال بعد جب جناب صوفی محمد اقبال صاحب کی وفات ہوگئی، تب مولانا نے ایک نیا رخ اختیار کیا اور کہا: ''میں علمائے دیوبند کے مسلک کے خلاف ہر چیز کو غلط سمجھتا ہوں اور اس سے رجوع کرتا ہوں۔''

مولانا مرحوم نے اِس ملفوظ میں کوئی نئی بات نہیں فرمائی، نہ ہی یہ جملہ اُن کے فکر ونظر میں کسی رجوع یا

تبدیلی کا پتہ دیتا ہے، کیونکہ جو موقف انھوں نے جناب صوفی محمد اقبال مرحوم کے زیر اثر اختیار کیا تھا، اُسے بھی مولانا نے ''علمائے اہل سنت دیوبند کا مسلک'' ہی قرار دیا تھا۔ لہٰذا مولانا کی دونوں تحریریں ملانے سے اِس کے سوا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکا کہ: مولانا پہلے سے جو موقف اپنائے ہوئے تھے، اَب بھی اُسی پر قائم ودائم ہیں، اور اُس کے خلاف ہر چیز کو غلط قرار دے کر اس سے رجوع کر رہے ہیں۔ ایں چہ بوالعجبی است

لہٰذا مولانا سے بجا طور پر اس وضاحت کا مطالبہ کیا گیا کہ: مذکورہ بالا معاملات میں آپ کے نزدیک علمائے دیوبند کا مسلک وہ ہے جو صوفی اقبال مرحوم وغیرہ نے علمائے دیوبند کی طرف منسوب کیا تھا، ؟ یا آپ حضرت گنگوہی، تھانوی، مدنی، سہارنپوری وغیرہ کے اختیار کردہ موقف کو مسلک دیوبند سمجھتے ہیں جس کی ترجمانی حضرت امام اہل سنت، حضرت قائد اہل سنت، حضرت شہید اسلام وغیرہ نے فرمائی؟

لیکن مولانا نے آخر دم تک اِن معاملات میں نہ اکابر دیوبند کے حقیقی مسلک کو صراحتاً درست قرار دیا، نہ کبھی اپنے رسالے، بیان وغیرہ میں اکابر اہل سنت دیوبند کا یہ مسلک بیان کیا۔ اور نہ ہی علوی مالکی افکار کی تغلیط اور اس سے براءت کا واضح اظہار فرمایا۔

ان حقائق کے اظہار پر بعض احباب سیخ پا ہوجاتے ہیں، حالانکہ یہ لڑنے جھگڑنے کی نہیں، سمجھنے سمجھانے کی بات ہے۔ ۸، ۱۰/ سال تک احباب سے ہم مسلسل گزارش کرتے رہے کہ آپ ہی مولانا سے کسی طرح معلوم کرلیں کہ عرس، میلاد وغیرہ کے بارے میں اکابر اہل سنت کا مسلک ہے کیا؟ لیکن کرنے کا یہ کام، نہ وہ کرسکے، نہ کرسکتے تھے۔ حتی کہ شیخ المحدثین مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ نے جب یہی بات مولانا ہزاروی مرحوم سے دریافت کی تو مولانا ہزاروی نے اس وقت بھی اس حوالے سے اپنا نظریہ ظاہر نہیں کیا۔ ہم یہ سمجھنے سے آج تک قاصر ہیں کہ مولانا مرحوم کو ان معاملات میں اپنا نظریہ پوشیدہ رکھنے کی آخر مجبوری کیا تھی؟

(۲)......مخصوص طرز کی مجالس کا انعقاد واہتمام:

اِسی طرح اہل انصاف کو اِس بات سے اختلاف کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ مولانا ہزاروی مرحوم ''مجالس ذکر اللہ'' کے قیام وانعقاد میں علمائے اہل سنت دیوبند کے صراطِ مستقیم سے تجاوز کر گئے تھے۔ اس کی بھی کچھ وضاحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس حوالے سے مولانا کی رائے اور عمل یہ تھا کہ: ''باہم مل کر ایک آواز کے ساتھ (اجتماعی) ذکر کرنا اور اس کے لیے مستقل مجالس قائم کرنا سنت/مستحب ہے۔'' ایسی مجالس کے لیے مولانا کے ہاں تداعی کا اہتمام بھی رہتا تھا۔ اور کسی کے ''جہری'' ذِکر، یا ''جہر سے محبت'' پر مولانا اِس قدر خوشی کا اظہار اور حوصلہ افزائی کا معاملہ فرماتے تھے جیسے اُن کے نزدیک ''جہر'' مقصود ہو۔

جبکہ اکابر اہل سنت دیوبند کے نزدیک نفس ذکر اللہ تو سنت رمستحب ہے۔ لیکن اس کے لیے ''اجتماع'' یا ''جہر'' یا مجالس کے لیے ''تداعی'' یہ چیزیں نہ سنت ہیں نہ مستحب۔ بلکہ تعلیم وعلاج کے علاوہ ان چیزوں کا مستقل اہتمام اور انھیں مقصود (مستحب) قرار دینا ان کو بدعت کے زمرے میں شامل کر دیتا ہے۔

لیکن مولانا مرحوم اکابر اہل سنت دیوبند خصوصاً مولانا کے اپنے مرشد و شیخ برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات وعمل معلوم ہونے اور محقق علماء کے توجہ دلانے کے باوجود پوری قوت و جوش سے اپنے غیر درست نظریہ اور عمل پر مضبوطی سے آخر تک قائم رہے۔

حیران کن اَمر یہ ہے کہ ''مجالس ذکر اللہ'' کی مخصوص صورت کی تائید وحمایت میں مولانا مرحوم اس قدر حد سے آگے بڑھ گئے تھے کہ مانعین کے لیے: ''منکرین مجالس ذکر اللہ، ناخلف، شیطانی اثر والے'' وغیرہ الفاظ لکھنے سے بھی نہیں ہچکچائے۔ اور یہ بات بالکل قطعی ہے کہ مولانا کی اختیار کردہ صورت کو چودہ سوسالہ امت نے غیر درست قرار دیا ہے۔ لیکن مولانا مرحوم نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ: اُن کے متشددانہ جملوں کی زد میں کون کون آ رہا ہے۔

مولانا عدنان کاکاخیل صاحب کا ارشاد:

ایک صاحب نے بتایا کہ مولانا سید عدنان کاکاخیل صاحب نے حضرت ہزاروی صاحبؒ کے جنازے پر بیان کے دوران ہزاروی صاحب کی بہت تعریف کی، اور یہ بھی فرمایا کہ: ''یہ مجالس ذکر ہمارے ہاں ناپید تھیں، حضرت ہزاروی وغیرہ نے اِن کا احیاء کیا۔'' بندہ نے عرض کیا کہ: مولانا کاکاخیل صاحب نے بالکل درست فرمایا ہے کہ: اِس طرز کی مجالس علمائے اہل سنت دیوبند کے ہاں ناپید تھیں، اور ناپید ہیں۔ بلکہ چودہ سوسال سے ناپید ہیں اور ان شاء اللہ ناپید ہی رہیں گی۔ دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارن پور، تھانہ بھون، گنگوہ اور رائے پور وغیرہ میں بھی آج تک ناپید ہیں۔ اِس طرز کی مجالس صوفی محمد اقبال صاحب اور ان کے زیر اثر مولانا ہزاروی مرحوم وغیرہ نے قائم فرمائی ہیں۔ جو یقیناً قابل ترک ہیں۔ ظاہر بات ہے چودہ سوسال سے نہ ''ذکر اللہ'' ناپید ہے، نہ ذکر کی مجالس، نہ ہی ذکر اللہ کے مجامع اور حلقے، اللہ پاک نے انھیں تا قیام قیامت باقی رکھنا ہے۔ اِس لیے پوری امت کو ذکر کا منکر، ناخلف اور شیطانی اثر والا کہنا ظلم عظیم ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ بدعتی طرز کی مروجہ مجالس ذکر، علماء وصوفیائے اہل سنت کے ہاں ضرور ناپید رہی ہیں۔ اور ناپید ہی رہنی چاہییں۔ اللہ پاک ان سمیت ہر بدعت سے پوری امت کی حفاظت فرمائیں۔ آمین

مولانا ہزاروی مرحوم پر حضرت قائد اہل سنت کا بصیرت افروز تبصرہ:

مذکورہ بالا دونوں معاملات (علوی مالکی افکار کی تائید اور بدعتی طرز کی مجالس ذکر اللہ) میں مولانا

ہزاروی مرحوم کا عقیدہ وعمل اکابر اہل سنت دیوبند کے مطابق نہیں تھا۔ اِس لیے ان میں مولانا کی تائید و حمایت کی کوئی گنجائش کسی سنی کے لیے نہیں ہے۔

قائد اہل سنت، وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے اپنی خداداد بصیرت کی بنیاد پر آج سے ۲۰، ۲۵ سال قبل مولانا ہزاروی مرحوم سے متعلق جو تبصرہ تحریر فرمایا تھا، مولانا ہزاروی مرحوم کے زندگی کی آخری لمحے تک کو دیکھنے اور ان کی آخری زندگی کے جملہ احوال کو پرکھنے کے بعد بھی حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے اس گویا کہ الہامی تبصرے میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں، حضرتؒ نے لکھا تھا:

''مولانا عزیز الرحمٰن صاحب موصوف سے تعلق زیادہ رہا ہے۔ آپ عصری فتنوں کے خلاف ہیں اور مجاہدانہ مزاج رکھتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ حضرت صوفی محمد اقبال صاحب کے زیر اثر آہستہ آہستہ دیوبندی تحقیقی مسلک سے ہٹتے جا رہے ہیں۔'' [تحفظ عقائد: ۳۸۵]

یقین جانیے! حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا یہ تبصرہ قیامت تک لیے قائم ودائم ہے۔

جس کا پہلا جملہ ہے: ''آپ عصری فتنوں کے خلاف ہیں۔'' اِس جملے نے مولانا ہزاروی مرحوم کی، مختلف باطل فرقوں کے خلاف تمام کاوشوں کو اپنے اندر سمولیا ہے، جن میں شیعیت، مودودیت اور مماتیت کے خلاف مولانا مرحوم کی محنت، اپنے متعلقین کے لیے مودودی عقائد کے حامل امیدوار کو ووٹ نہ دینے کی تلقین، داڑھی منڈوانے کی اجتماعی تقریب کے مقابل داڑھیاں رکھوانے کی تحریک چلانا، مماتی عالم کو دیوبندی جماعت کا صدر بنانے کی زوردار مخالفت وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت قائد اہل سنتؒ کے تبصرے کا دوسرا جملہ ہے: ''مجاہدانہ مزاج رکھتے ہیں۔'' یہ جملہ مولانا ہزاروی مرحوم کے جملہ مجاہدانہ اقدامات کو شامل ہے، جیسے: دینی اجتماع میں خمینی کا نام لینے پر جنرل حمید گل کو ٹوک دینا، طالبان و دیگر مجاہدین کی کھلی حمایت اور حضرت امیر المؤمنین ملا محمد عمر رحمہ اللہ پر اشاعت خاص کا اہتمام وغیرہ۔

اور تبصرے کا تیسرے جملے (''دیوبندی تحقیقی مزاج سے ہٹتے جا رہے ہیں۔'') نے مولانا کے تمام خلافِ سنت افکار واعمال کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے، جن میں علوی مالکی افکار کی تائید اور اہل بدعت کی طرز کی مجالس ذکر اللہ کا معاملہ بھی شامل ہے۔

گویا حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا تبصرہ ہی آج ہمارا تبصرہ ہے۔

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی عبید الرحمٰن [دار الافتاء: جامعہ اصحاب صفہ مردان]

یوٹیلٹی بلز میں تاخیر کی وجہ سے جرمانہ عائد کرنے کا شرعی حکم

ہمارے ہاں حکومتِ پاکستان کے قانون کے مطابق جب صارف کے پاس بجلی یا گیس بل آتا ہے تو اس میں دو مختلف خانے ہوتے ہیں: ''مقرر تاریخ تک واجب الاداء'' اور ''مقرر تاریخ کے بعد واجب الاداء''۔ اگر صارف بل مقررہ تاریخ تک جمع کرائے تو اپنے واقعی خرچ کے مطابق بل جمع کراتا ہے اور اگر اس کے بعد جمع کرانا چاہے تو کچھ فیصد اضافہ کے ساتھ جمع کرانا پڑیگا، اس کو لیٹ فیس یا سروس چارج بھی کہا جاتا ہے، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ بروقت بل ادا کرنا ضروری ہے اور بلا ضرورت تاخیر کرنا اس میں ناجائز ہے، حدیث شریف میں قدرت کے باوجود ٹال مٹول کرنے کو ظلم قرار دیا گیا ہے، اس لئے صارف کی ذمہ داری ہے کہ وہ مقررہ وقت تک بل ادا کرنے کا پورا اہتمام کرے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اگر صارف مقررہ تاریخ تک بل ادا نہ کریں تو کیا شریعت کی روشنی میں اس طرح لیٹ فیس مقرر کرنے یا جمع کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

بجلی اور گیس کے استعمال کرنے کو ''اجارہ'' کہا جائے یا ''بیع''، بہرحال مہینہ کے آخر میں بل میں موجودہ رقم صارف کے ذمہ متعلقہ ادارے کا دَین بن جاتا ہے جس کی اصل مقدار اور ادائیگی کی تاریخ دونوں چیزیں بل میں لکھی ہوئی موجود ہوتی ہیں، اَب اگر صارف اس تاریخ تک بل ادا نہیں کر پاتا، اپنی سستی وغفلت کی وجہ سے یا کسی واقعی عذر کی بناء پر، تو اگلے مہینہ اس سے مزید رقم وصول کرنے کا مطلب یہی ہے کہ مزید مہلت ملنے کے عوض اس سے رقم وصول کی جارہی ہے اور مدت ومہلت کا معاوضہ وصول کرنا سود کہلاتا ہے اور معاملہ کی حقیقت وہی بن جاتی ہے جس کو فقہاءِ کرام **"انظرنی ازدک"** (مہلت دو، تو زیادہ دوں گا) سے تعبیر فرماتے ہیں کہ جب قرض لینے کا وقت آئے تو مقروض مزید مہلت مانگ کر اس کے بدلے کچھ اضافی رقم دیدیتا ہے، اس کے بارے میں جمہور امت کا مسلک یہی ہے کہ یہ سود ہے، جس کے ناجائز اور ایک سنگین گناہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

مصنف عبدالرزّاق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ:

أخبرنا ابن عيينة، عن عمرو، عن ابن عباس مثله، قال ابن عيينة: وأخبرني غير عمرو قال: قال ابن عباس: إنما الربا أخر لي، وأنا أزيدك وليس، عجل لي وأضع

عنک. [مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب الرجل یضع من حقه ویتعجل :۷۲/۸، رقم الحدیث:۱۴۳۶۲]

امام ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کے سود ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

ولا خلاف أنه لو كان عليه ألف درهم حالة فقال له أجلني وأزيدك فيها مائة درهم لا يجوز لأن المائة عوض من الأجل كذلك الحط فى معنى الزيادة إذ جعله عوضا من الأجل وهذا هو الأصل فى امتناع جواز أخذ الأبدال عن الآجال.

[**أحكام القرآن للجصاص**:۱۸۶/۲]

لہٰذا ذکر کردہ تفصیل کے مطابق بل جمع کرانے میں تاخیر کی وجہ سے مزید رقم مقرر کرنا سود ہے اور صارف کی ذمہ داری ہے کہ وہ بروقت ادائیگی کی کوشش کرے کیونکہ تاخیر کی صورت میں سود لگایا جاتا ہے، ہماری ناقص اطلاعات کے مطابق اب تک اکثر اہلِ علم کا یہی موقف رہا ہے۔

لیکن اب بعض اہلِ علم کی تحریرات پڑھنے سے معلوم ہوا کہ وہ حضرات ایک دوسری فقہی تکییف کی بناء پر اس کی اجازت کے قائل ہیں اور اس تحقیق کے مطابق وقت مقررہ سے تاخیر پر ادائیگی کی وجہ سے جو جرمانہ لگایا جاتا ہے وہ شرعاً جائز ہے۔ چنانچہ ملک کے ایک مؤقر دینی ادارے کے فتویٰ کی عبارت ہے:

”سوال نمبر: ماہانہ سوئی گیس یا بجلی بل مقررہ تاریخ پر ادا نہ کرنیکی وجہ سے حکومت جرمانہ لگاتی ہے، کیا شریعت کی رو سے یہ جرمانہ لگانا جائز ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق: حکومتِ وقت انتظامی حوالہ سے کسی مصلحت کے پیشِ نظر تعزیر بالمال کی مجاز ہے، تاہم مسئولہ صورت میں تعزیر بالمال کے علاوہ جواز کی یہ صورت بن سکتی ہے کہ حکومت کی طرف سے بجلی کی قیمت کی مقرر کردہ وقت پر ادائیگی کے لئے ایک قیمت مقرر ہو اور تاخیر کی صورت میں بجلی کی قیمت میں اضافہ کیا جائے اور شرعاً یہ جائز ہے کہ نقد کی بجائے ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کیا جائے۔“

[فتاویٰ عثمانیہ:۱۸۱/۹]

یہاں اس کے متعلق مختصر گزارشات درج کی جاتی ہیں:

حکومتی سطح پر مالی جرمانہ لگانے کا حکم:

فقہاءِ احناف کے اصل مذہب کے مطابق تعزیر بالمال ناجائز ہے، اس میں حاکم و محکوم کا کوئی فرق نہیں، حنفیہ کے نزدیک راجح بھی یہی ہے، البتہ بعض کتابوں میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ وہ اس کے جواز کے قائل تھے، اس روایت کو علامہ شامی رحمہ اللہ وغیرہ حضرات نے ضعیف قرار دیا، لیکن خود فتاویٰ بزازیہ وغیرہ میں اس روایت کا جو محمل بیان کیا گیا ہے وہ بالکل بے غبار اور متفق

ہے اور وہ تعزیر بالمال کے عام تصور و مفہوم سے یکسر مختلف ہے کہ اس میں مجرم سے مال لے کر ضائع کیا جاتا ہے نہ ہی مالک کی رضا مندی کے بغیر کسی دوسری جگہ صرف کیا جاتا ہے، بلکہ ایک مخصوص مدت کے لیے ضبط کیا جاتا ہے۔

یہی کچھ صورتِ حال دیگر مذاہب کی بھی ہے کہ ان کے ہاں بھی اکثر فقہاء کے نزدیک اس کی اجازت نہیں ہے، البتہ تقریباً ہر مذہب میں بعض بعض فقہاء کرام نے اس کی اجازت دی ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ائمہ اربعہ کے جمہور فقہاء کے نزدیک تعزیر بالمال درست نہیں، تاہم چونکہ مسئلہ اجتہادی ہے لہٰذا حاکمِ وقت کے قانون بنانے سے اس میں مزید وسعت پیدا ہوسکتی ہے کیونکہ اجتہادی مسائل میں حکم حاکم رافعِ خلاف ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حکومت اگر جرمانہ مقرر کرے تو اس کی گنجائش ہے، لیکن بل میں تاخیر کی بناء پر مزید رقم لینے کو اس بناء پر جائز کہنا مشکل ہے کیونکہ:

الف۔ تعزیر اثباتِ جرم کے بعد ہی ہوسکتی ہے، جبکہ یہاں اس بات کی تحقیق ہوتی ہے نہ اہتمام۔ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بل صارف کے پاس مقررہ وقت تک پہنچتا ہی نہیں، یا ایسے وقت پہنچتا ہے کہ جس کے بعد جمع کرانا واقعتاً مشکل ہوتا ہے اور مادیت میں لپٹی ہوئی اس دنیا میں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جس وقت صارف کے پاس بل پہنچا اس وقت وہ واقعتاً اتنا مفلس ہو چکا تھا کہ بل جمع کرانے کا سامان ہی اس کے پاس نہ تھا، وغیرہ، الغرض جرم کی تفتیش و ثبوت کے بغیر تعزیر و سزا دینا درست نہیں، نیز تعزیر کی نوعیت و مقدار کا اختیار اگرچہ حکومتی صوابدید پر ہے، لیکن جرم، مجرم اور ماحول کے اعتبار سے تعزیر میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے جبکہ بل میں پورے ملک میں بلکہ اکثر ممالک میں ایک خاص تناسب سے اضافہ کیا جاتا ہے۔

ب۔ دینِ مؤجل کی ادائیگی میں تاخیر پر تعزیر بالمال بالاتفاق جائز نہیں، کیونکہ جیسا کہ اوپر لکھا گیا کہ یہ سود کی ایک شکل ہے اور جرم کی روک تھام صرف جرمانہ لگانے میں منحصر نہیں ہے بلکہ دوسرے ذرائع سے بھی یہ مقصود پورا کیا جاسکتا ہے، خرید و فروخت اور کرایہ داری کے معاملات میں بھی امانت و دیانت کے فقدان کی وجہ سے بعض اوقات کسی فریق کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جاتا ہے ان جیسے مواقع میں بلاوجہ نقصان سے بچاؤ کے لئے جن علماء کے نزدیک "الشرط الجزائی" لگائی جاتی ہے وہ بھی تقریباً اس پر متفق ہیں کہ کم از کم دیون کا معاملہ اس سے جدا ہے اور یہاں ایسی شرط لگانا ناجائز اور سود ہے۔

عالمِ اسلام کے مشہور مجلس فقہی "مجمع فقہ اسلامی جدہ اکیڈمی" نے ایک عرصہ پہلے اس موضوع پر ایک سیمینار منعقد کیا تھا، اس کی قرارداد میں ہے:

قرر ما يلي: أولًا: الشرط الجزائي في القانون هو اتفاق بين المتعاقدين على تقدير التعويض الذي يستحقه من شرط له عن الضرر الذي يلحقه إذا لم ينفذ الطرف الآخر ما التزم به أو تأخر في تنفيذه.ثانيًا: يؤكد المجلس قراراته السابقة بالنسبة للشرط الجزائي ..ونصه:(لا يجوز الشرط الجزائي عن التأخير في تسليم المسلم فيه؛ لأنه عبارة عن دين، ولا يجوز اشتراط الزيادة في الدين عند التأخير ..”وقراره في البيع بالتقسيط رقم 51 (2 / 6) ونصه: ” إذا تأخر المشتري المدين في دفع الأقساط بعد الموعد المحدد فلا يجوز إلزامه أي زيادة على الدين بشرط سابق أو بدون شرط لأن ذلك ربا محرم.“[مجلة مجمع الفقه الإسلامي:۲/۲۲۸۵۸]

ان جیسے مسائل میں دیگر مذاہب کی بنسبت فقہاء مالکیہ کے نزدیک کافی وسعت ہے، وہ حضرات اس باب میں خوب گنجائش سے کام لیتے ہیں، لیکن اگر مدیون التزام کرے کہ اگر مقررہ تاریخ تک دین ادا نہیں کیا تو دائن کو اتنی رقم دوں گا، تو ان کے نزدیک بھی یہ سود کے زمرہ میں داخل اور ناجائز ہے۔

علامہ ابوالحطاب مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أما إذا إلتزم المدعى عليه للمدعى أنه إن ام يوفه حقه في وقت كذا فله عليه كذا وكذا فهذا لا يختلف في بطلانه لأنه صريح الربا وسواء كان الشيء الملتزم به من جنس الدين أو غيره وسواء كان شيئاً معيناً أو منفعة.

[تحرير الكلام في مسائل الإلتزام، الباب الثاني:۱۷۶]

فقہاءِ حنفیہ نے یہ ضابطہ مقرر فرمایا ہے کہ اگر دائن اور مدیون مل کر دَین کے بدلے کسی دوسری چیز پر صلح کرنا چاہیں تو ضروری ہے کہ اس صلح میں احسان صرف ایک فریق کی طرف سے ہو اور صلح بھی اسی جنس پر کریں جس کا دائن پہلے سے مستحق تھا، اگر صلح میں دونوں فریقوں کی طرف سے ایک دوسرے کے ساتھ احسان کی کوئی صورت طے ہو جائے، یا دین کے علاوہ کسی اور جنس کو بدل صلح بنایا جائے، تو یوں سمجھا جائیگا کہ گویا مدیون کے ذمے جو کچھ دین تھا اس کا موجودہ بدل صلح کے تبادلہ (بیع) کیا جا رہا ہے اور مبادلہ میں چونکہ دونوں طرف سے نقود ہیں، اس لئے پوری طرح برابری بھی ضروری ہے اور ادھار سے بچنا بھی لازم ہے، پھر یہ احسان بھی عام ہے چاہے مقدار، کیفیت وصفات کی شکل میں ہو یا مدت واجل کی صورت میں۔

علامہ زیلعی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

(الصلح عما استحق بعقد المداينة أخذ لبعض حقه وإسقاط للباقي لا معاوضة) - وذكر بعضهم أن الإحسان متى وجد من أحد الجانبين يكون تبرعا، وإن وجد من الجانبين يكون معاوضة.[تبيين الحقائق، كتاب الصلح، باب الصلح عن الدين:۵/۴۱]

زیر بحث مسئلہ میں جب صارف نے پورا مہینہ بجلی یا گیس استعمال کیا تو اس کے ذمہ بل کی ادائیگی

لازم ہوگئی اور یہ رقم متعلقہ ادارے کا اس کے ذمے دَین ثابت ہوا، اب تاخیر کی صورت میں صارف کی طرف سے زیادتی واحسان تو یہی ہے کہ مقررہ مقدار سے زیادہ رقم واپس کریگا، جبکہ متعلقہ ادارے کی طرف سے مزید ایک مہینہ تک مہلت ملنے کی صورت میں احسان ہوا، لہٰذا احسان جانبین سے ہوا جو مذکورِ بالا عبارات کی بناء پر ممنوع ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تاخیر سے بل جمع کرانے پر اضافی رقم کو تعزیر بالمال کی تکییف پر جائز قرار دینا درست نہیں۔

ادھار بیع کی تکییف:

جہاں تک دوسری تکییف ہے تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ بائع کے لئے نقد اور ادھار کی قیمتوں میں تفاوت رکھنا اگرچہ جائز ہے، لیکن یہ تب ہے کہ جب مجلسِ عقد کے اندر اندر کوئی ایک بات قطعی طور پر طے ہوجائے کہ معاملہ نقد ہے یا ادھار، اگر مجلس برخاست ہونے تک یہ تردد رہا تو یہ بیع فاسد ہے کیونکہ ثمن مجہول رہا۔

علامہ علاء الدین سمرقندی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ولو باع وقال هو بالنسيئة كذا وبالنقد كذا فهو فاسد لأن الثمن مجهول.

[تحفة الفقهاء، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد:۲/۴۶]

بلوں کا معاملہ بھی یوں ہے کہ میٹر لگنے اور مہینہ کے آخر تک بجلی یا گیس استعمال ہونے تک معاملہ کی نوعیت پوری طرح طے نہیں کی جاسکتی، نیز بیع قرار دینے کی صورت میں یہ بیعِ تعاطی ہوگی جس میں کوئی زبانی صراحت نہیں ہوتی جبکہ ادھار کے لئے تصریح ضروری ہے، ورنہ معاملہ نقد قرار پائیگا جس میں چیز قبض یا مالک کی اجازت سے استعمال کرنے کے بعد ہی قیمت دَین بن جاتی ہے اور دَین میں تاخیر سے ادائیگی کرنے پر جرمانہ لینا جائز نہیں۔

البتہ اگر بجلی وگیس وغیرہ کے استعمال کو اجارہ قرار دیا جائے تو اس میں یہ کہا جاسکتا ہے کیونکہ اجارہ میں اجرت کو مختلف شرائط کے ساتھ باندھنا جائز ہے کہ مثلاً کوئی شخص کپڑا دے کر درزی سے کہے کہ اگر اس کو آج سیا تو سو روپے اجرت دوں گا اور اگر کل سیا تو اسی روپے، ایسا معاملہ حضرات صاحبین وغیرہ ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔

لیکن اولاً تو اس کو اجارہ کہنا ہی قابلِ غور ہے کیونکہ بجلی ہو یا گیس، دونوں چیزوں کو اپنی اہمیت وافادیت کی وجہ سے اب صرف مال ہی نہیں بلکہ دیگر اعیان کی طرح نہایت بیش قیمت مال تصور کیا جاتا ہے،

جس کے بعد اس کو منفعت قرار دے کر اجارہ کہنا مشکل ہے، اور ثانیاً ان جزئیات کو یہاں منطبق کرنا بھی درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ غالباً کنکشن لگاتے وقت ایسی کوئی بات طے نہیں ہوتی، بلکہ فی یونٹ قیمت بتائی جاتی ہے پھر جب مہینہ بھر مثلاً بجلی کی منفعت حاصل کی جاتی ہے تو اس کے بعد پھر اجرت میں تردید کی جاتی ہے، جبکہ اب تردید اجرت کا کوئی موقع نہ رہا کیونکہ استیفاءِ منفعت کے بعد اجرت صارف کے ذمہ دین بن چکا ہے جس میں تاخیر کی وجہ سے اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔

لیٹ فیس کا مسئلہ:

موجودہ دور میں لیٹ فیس کی ضرورت بھی بڑھتی جا رہی ہے اور ساتھ ساتھ ہر چیز میں اس کا رجحان بھی فروغ پا رہا ہے، اس کا بھی اجمالی حکم یہ ہے کہ لیٹ فیس کی دو صورتیں ممکن ہیں:

الف: اشیاء کے منافع یا متعلقہ افراد کی خدمات حاصل کرنے سے پہلے لیٹ فیس مقرر کرنا، مثلاً کوئی علمی و تعلیمی کورس شروع کرنے سے پہلے یہ ضابطہ بنایا جائے کہ فلاں تاریخ تک جو داخلہ فیس جمع کرائے گا اس سے ۳۰۰۰/روپے فیس لی جائے گی اور اس کے بعد پندرہ تاریخ کو فیس جمع کرانا چاہے تو ۵۰۰۰/روپے فیس ادا کرنی ہوگی، جیسا کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے داخلہ فیس کا ضابطہ ہے کہ امتحانات وغیرہ سے پہلے ہی فیس وصول کی جاتی ہے جس کے لئے ایک خاص تاریخ مقرر کی جاتی ہے کہ اس تاریخ تک اتنی فیس ہوگی اور اس کے بعد دوگنی فیس۔

ب: دوسری صورت یہ ہے کہ منفعت و خدمت حاصل کرنے کے بعد لیٹ فیس مقرر کی جائے، مثلاً مذکورہ مثال میں کورس یا مہینہ ختم ہونے کے بعد اعلان کر دیا جائے کہ جس نے اس سابقہ مہینہ کی اجرت یکم تاریخ تک جمع کرائی، اس سے وہی مقررہ اجرت وصول کی جائیگی اور جس نے اس تاریخ سے تاخیر کی، اس سے ڈبل فیس لی جائے گی۔

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ یہ جائز ہے، کیونکہ یہ اجارہ ہے جس میں اجرت کی تردید جائز ہے، اور دوسری صورت شرعاً جائز نہیں کیونکہ کورس ختم ہونے کے بعد اجرت شریک کے ذمہ دین بن چکی ہے جس میں مہلت دینے یا تاخیر کرنے پر اضافی رقم وصول کرنا سود ہے۔

ممکن متبادل شکل:

لیٹ فیس یا جرمانہ کی پس پشت یہ انتظامی جذبہ کارفرما ہے کہ صارفین بروقت واجبات کی ادائیگی کرتے رہیں تاکہ متعلقہ ادارے کے اخراجات و مصارف بھی پورے ہوتے رہیں اور مزید سہولیات بھی مہیا کی جا سکیں، یہ ایک قابلِ قدر جذبہ ہے، (**بقیہ** صفحہ نمبر 50 پر)

حافظ عبدالوحید حنفی صاحب، چکوال

مولانا عزیز الرحمٰن ہزارویؒ دُنیا سے کوچ کر گئے

مولانا عزیز الرحمٰن ہزارویؒ بن مولانا محمد ایوب بن مولانا عبدالمنان چھپرگرام تحصیل وضع بٹگرام صوبہ پختونخواہ میں ۲/فروری ۱۹۴۸ء مطابق ۲۱/ربیع الاوّل ۱۳۶۷ھ بروز پیر پیدا ہوئے۔ اور ۲۳/جون ۲۰۲۰ء مطابق یکم ذی القعدہ ۱۴۴۱ھ بروز منگل راولپنڈی میں نمازِ فجر کے بعد انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عزیز الرحمٰنؒ صاحب نے اکتوبر ۱۹۷۱ء یعنی شعبان ۱۳۹۱ھ میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں دورہ حدیث مکمل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ اور پھر راولپنڈی کی ایک مسجد چوہڑ پال محلّہ محمد آباد میں خطابت شروع کی۔ پھر اس مسجد سے علیحدگی اختیار کر کے ۱۹۷۵ء میں آپ نے مسجد صدیق اکبر راولپنڈی کو مرکز بنا کر ملک بھر اور بیرونِ ملک خدمت دین کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا۔ اس طرح پون صدی اس فانی دنیا میں بھرپور زندگی گزار کر دُنیا سے کوچ کر گئے۔

آپ نے سالِ عیسوی کے حساب سے ۷۲/سال، ۴ ماہ اور ۲۱/دن زندگی پائی اور سنِ ہجری کے حساب سے ۷۴/سال، ۷ ماہ اور ۱۰/دن اِس فانی دنیا میں گزارے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حسنات کو قبول فرمائے اور سیّأت کو معاف فرمائے۔ (آمین)

زندگی کے نشیب و فراز:

(۱)......مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کی عقیدت ومحبت کی بنا پر آپ نے ابتدائی زندگی میں جمعیت علمائے اسلام میں شمولیت اختیار کی۔ اور جب مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی رحمہ اللہ نے جمعیت سے علیحدگی اختیار کر کے آزاد حیثیت سے کام شروع کیا، تو یہ بھی اُن کی رفاقت میں جمعیت علمائے اسلام سے الگ ہو گئے۔ اور مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی رحمہ اللہ کے رفیقِ سفر بن گئے، اور جمعیت علمائے اسلام (ہزاروی گروپ) میں شامل ہو گئے۔

(۲)......مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی رحمہ اللہ کے ساتھ ساتھ آپ کی عقیدت و محبت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ [امیر تحریکِ خدام اہل سنت پاکستان] سے بھی والہانہ تھی۔ چناں چہ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۰ء تک آپ نے تحریک خدام اہل سنت کے علاقہ بھر میں تبلیغی دورہ میں شرکت کر کے

خدمتِ دین کا بہت کام کیا۔

(۳)......۱۶؍جنوری ۱۹۷۰ء کو جب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستان تشریف لائے، جامع مسجد زکریا میں جمعہ کے موقع پر عام بیعت کی، جس میں سینکڑوں لوگ اُن کے بیعت ہوئے۔اس مبارک موقع پر مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزارویؒ اور راقم الحروف (حافظ عبدالوحید الحنفی) کو بھی بیعت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔اسی نسبت سے وہ بندہ کے پیر بھائی بھی بن گئے۔اس طرح یہ چکوال کے علاقہ میں اکثر تبلیغی جلسوں میں تشریف لایا کرتے تھے۔

۱۹۷۵ء میں سفر حرمین شریف میں مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے خصوصی بیعت کر کے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب محدث سہارنپوری سے آپ نے فیض پایا اور ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں حضرت شیخ الحدیث صاحب نے فیصل آباد اعتکاف کیا۔اسی دوران آپ نے حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خدمت کی سعادت حاصل کی۔

۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۹۸۱ء میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے خادم خاص حضرت صوفی محمد اقبال صاحب نے مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی طرف سے اجازتِ بیعت دے کر خلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ کی وفات:

۲؍شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۵؍مئی ۱۹۸۲ء کو مدینہ منورہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ وفات پا گئے اور جنت البقیع میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے مزار کے قریب قدموں میں نیچے کے ایک احاطہ میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی تدفین ہوئی۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دورِ ابتلاء، صوفی محمد اقبال صاحب کی آزمائش:

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزارویؒ اور مولانا عبدالحفیظ مکی اور دوسرے خلفاء نے حضرت صوفی محمد اقبال صاحب سے، جو کہ شیخ الحدیث صاحب کے خادم خاص تھے اور خلیفہ مجاز بھی تھے، اُن سے بیعت کر لی۔اور اُن کی سرپرستی میں ذکر و فکر اور اجتماعی ذکر بالجہر کے لیے جہری مجالس ذکر کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اس دوران ابتلاء یہ ہوا کہ حضرت صوفی محمد اقبال صاحب نے، شیخ محمد علوی مالکی (جو کہ بریلوی مسلک کے عالم تھے اور فنافی البریلویت تھے، جن کو مولانا ضیاء الدین قادری بریلوی کے علاوہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے لڑکے مولانا مصطفیٰ رضا خان سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی) کی بیعت کر لی۔

شیخ محمد علوی مکی مالکی مولانا احمد رضا خان فاضلِ بریلوی کے عقیدت منداس قدر تھے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کو اہلِ حق واہلِ باطل اور اہل سنت واہل بدعت کے لیے معیارِ حق قرار دیتے تھے۔اور غیر مبہم الفاظ میں کہتے ہیں کہ:

''ان سے محبت کرنا سُنّی ہونے کی علامت ہے،اوران سے بغض رکھنا اہلِ بدعت کی نشانی ہے۔''

[بحوالہ تحفظ عقائد اہل سنت: ۴۲۹]

صوفی محمد اقبال صاحب نے جب اُن سے بیعت کرنے کا اظہار کیا تو انہوں نے اُن کو اجازت و خلافت بھی عنایت فرمادی۔اس عقیدت ومحبت واجازت کے بعد محمد بن علوی مالکی کی کتاب ''اصلاح مفاہیم'' کا اردو ترجمہ کرا کر جب پاکستان سے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی اوران کے رفقاء نے شائع کیا، اس پرحق پرست اِن کے ہم عصر علماء اور مشائخ ان سے ناراض ہوگئے۔یہ مولانا ہزاروی کے لیے دورِ ابتلاء تھا۔

صوفی محمد اقبال صاحب کا انتقال:

صوفی محمد اقبال صاحب ۲/ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۰/جولائی ۱۹۹۹ء کو مدینہ منورہ میں انتقال کر گئے۔انہوں نے وفات تک محمد بن علوی مالکی سے محبت اور عقیدت کا تعلق قائم رکھا۔اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی اوراُن کے رفقاء نے بھی یہ تعلق قائم رکھا۔حضرت صوفی محمد اقبال صاحب کی وفات کے بعد تک مکی مالکی سے عقیدت رہی۔صوفی محمد اقبال صاحب مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''پھرانہیں وجوہات سے جن کی وجہ سے حضرت شیخ سے بیعت ہوا تھا وہ جب (اپنی سمجھ کے مطابق) ایک بزرگ میں دیکھیں تو اُن سے بیعت ہوا۔ان کو میلاد اور رسومات وغیرہ کرتے بھی دیکھا...... چناں چہ الحمدللہ سلسلہ شاذلیہ سے ربط کے بعد حِکم پہلے سے زیادہ سمجھ میں آنے لگی، زیادہ لطف آنے لگا۔جس کی ضرورت تھی۔اس طرح کی بیعت کے لیے بالفرض اگر مجھے ایسے بزرگ روزانہ نئے نئے ملتے رہیں تو میں روزانہ بھی ایک بیعت کے لیے تیار ہوں۔الخ''

[خط صوفی اقبال صاحب بنام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ۔بحوالہ: تحفظ عقائد اہل سنت، باب ۵]

صوفی محمد اقبال صاحب کا محمد بن علوی مکی مالکی سے بیعت ہونا اور مکی مالکی کا اُن کو خلافت دینا صوفی محمد اقبال صاحب کے خطوط سے بھی واضح ہونے پر مولانا عزیز الرحمٰن اور مولانا عبدالحفیظ مکی کے دل میں محمد بن علوی مکی مالکی سے عقیدت ومحبت کرنا لازم آتا تھا۔

اس لیے ان کے ''ہم عصر حق پرست علماء'' کی طرف سے بار بار تقاضا کیا گیا ہے آپ اہل بدعت سے برأت کا اور علیحدگی کا واضح اعلان کریں۔ان حالات میں مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے شیخ الحدیث

مولانا محمد زکریا صاحب کے خلیفہ مفتی مختار الدین صاحب[کربوغہ] کے نام خط کے جواب میں لکھا:

مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کا رجوع نامہ

’’میں اصلاح مفاہیم پر اپنی تقریظ اور رسالہ ’’اکابر کا مسلک ومشرب‘‘ سے رجوع کرتا ہوں۔ آئندہ کوئی بھی اس تقریظ ورسالہ کو شائع نہ کرے اور نہ ہی اس کا حوالہ دے۔‘‘ [عزیز الرحمٰن، ۲۲/اکتوبر۲۰۰۰ء]

رسالہ قضیہ کا خاتمہ:

مفتی مختار الدین شاہ صاحب کربوغہ کا خط اور مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب کا رجوع اور کچھ دیگر مضمون نثار احمد الحسینی صاحب نے ’’قضیہ کا خاتمہ‘‘ نام کے ایک رسالہ میں شائع کیے۔

اس رسالہ ’’قضیہ کا خاتمہ‘‘ ص:۱۰/ پر مولانا نثار احمد صاحب حسینی لکھتے ہیں:

صوفی اقبال صاحب کا رجوع:

’’حضرت اقدس صوفی محمد اقبال صاحب نے ان حالات کے علم میں آنے اور اپنے مخلصین کے توجہ دلانے پر وفات سے ایک سال پہلے ہی ان اختلافی امور اور اپنے متعلق ان افواہوں کی وضاحت کرتے ہوئے اظہار برأت اور رجوع فرمایا تھا۔ چناں چہ ۶/ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۰/جولائی ۱۹۹۹ء کو اپنی آخری وصیت میں لکھا:

> ’’ہمارے موجودہ بہت آسان لیکن بہت اہم کام، جس کو حضرت شیخ نے مرض الموت میں اختیار کیا۔ میں کسی قسم کی بدعت اور شرک کا طرز اختیار نہ کرے اگر کسی نے ایسا کوئی کام کیا تو اس سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔‘‘ [وصیت نامہ:۳]

اسی وصیت نامہ میں فرمایا:

> ’’دینی لحاظ سے اگر شیخ کے اعمال شرک اور بدعت والے ہوں یا وہ کسی گناہ پر مصر ہو تو ایسے شیخ میں دین کی خرابی ہے۔ جس سے تو بیعت ہونا ہی جائز نہیں۔ اور اگر ناواقفیت سے بیعت ہو گیا تو اسے بیعت توڑ دینی ضروری ہے۔‘‘ [مطبوعہ ماہنامہ حق چاریار لاہور، دسمبر۲۰۰۲ء]

اجتماعی ذکر بالجہر کے لیے تداعی کا سلسلہ:

حضرت صوفی محمد اقبال صاحبؒ کے رجوع کے باوجود اُن کے خلفاء اور مریدین نے ’’اجتماعی ذکر بالجہر‘‘ کی مجالس کے قیام کا سلسلہ بدستور جاری رکھا۔ جب کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے بھی تاکید کی تھی کہ:

’’اس کا لحاظ ضروری ہے کہ بدعتی صورت پیدا نہ ہو، مثلاً یہ کہ ایک حلقہ میں سب کا ذکر نہ ہو، علیحدہ علیحدہ نشستیں تجویز کریں۔ اس کو آپ ہی خود اچھی طرح سمجھتے ہیں، ایک نشست یعنی بالکل اجتماعی صورت

یہاں بھی نہ ہو۔ مدرسہ قدیم میں جیسے متفرق لوگ کرتے رہتے تھے، اس میں مضائقہ نہیں۔“

[تربیت السالکین: ۱۵۷]

برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ مروجہ حلقہ ذکر (آواز ملا کر ذکر کرنے کو) بدعت قرار دیتے ہوئے تاکید کر رہے ہیں کہ بدعتی صورت نہ ہو۔ لیکن افسوس کہ مولانا عزیز الرحمٰن ہزارویؒ نے اس نصیحت پر عمل نہ کیا اور وفات سے قبل ہسپتال میں بھی ”اجتماعی ذکر بالجہر“ کروایا۔ وفات کے تذکرہ میں پیر محمد اقبال قریشی لکھتے ہیں:

”(شب یکم ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ، ۲۳ / جون ۲۰۲۰ء کو) مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی کی رات کو طبیعت خراب ہوگئی، ہسپتال لے گئے تو تہجد کے وقت ذکر کروایا۔ اور خوب ذکر کرنے کے بعد فجر کی نماز ادا کی اور پھر ذکر کرتے کرتے لیٹ گئے اور کہنے لگے میں آرام کر کے ناشتہ کروں گا۔ اور اسی طرح ذکر کرتے کرتے سو گئے، اور اسی حالت میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔“ [روزنامہ اسلام، روایت مولانا عتیق الرحمٰن ہزاروی، مضمون نگار راوی پیر اقبال قریشی۔ ۳ / ذیقعدہ ۱۴۱۴۱ھ۔ ۲۵ / جون ۲۰۲۰ء]

حضرت ہزارویؒ کے نام آخری ۲ / خط:

عبدالوحید حنفی نے آپ کو ایک خط یادگار ۱۶ / مارچ ۲۰۱۶ء کو لکھا۔ اور آخری یادگار خط لکھا۔ عبدالوحید الحنفی کے پیر بھائی ہونے کی نسبت سے وہ بندہ سے بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ اس شفقت کی وجہ سے بے تکلفی سے اُن کے سامنے تحریری جذبات بذریعہ خطوط عرض کر دیتا تھا۔ چناں چہ بندہ نے ۵ / شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۱ / اپریل ۲۰۱۹ء کو جو آخری خط لکھا یہ یادگار دوسرا خط پیشِ خدمت ہے:

مکتوب بنام حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی:

از چکوال۔ ۷ / جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ۔ ۱۶ مارچ ۲۰۱۶

بخدمت جناب حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی حفظك الرحمٰن الی یوم المیزان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت سے رکھیں۔ ہم سب کو اپنی رضا نصیب فرمائیں اور ہمیں اپنی رحمت و بخشش سے محروم نہ کریں۔ آمین۔

یہ عریضہ آپ کو صرف ایک پیر بھائی ہونے کی نسبت سے اس وقت ارسال کرنے کا اچانک دل میں خیال آیا۔ الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اور آپ کو حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری ثم مدنیؒ کی بیعت کی سعادت نصیب کی، حضرت سہارنپوریؒ کے اجل خلفاء میں سے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور حضرت مولانا محمد اسماعیل بدات صاحب کا (اور جمہور اکابر علماء اہل سنت

دیوبند کا) موقف یہ ہے کہ مروجہ مجالس ذکر بالجہر جو کہ اجتماعی شکل میں منعقد کی جاتی ہیں، یہ طریقہ خلاف سنت ہے اور بدعت ہے۔

اس لیے مناسب یہ ہے کہ آپ ذکر بالجہر کی مجالس کا انعقاد نہ کیا کریں۔ صرف انفرادی صورت میں اپنے عقیدت مندوں اور بیعت کرنے والوں کو ذکر اللہ کرنے کی تاکید اور ترغیب دیا کریں۔ تاکہ آگے چل کر یہ سلسلہ اہل بدعت کی مشابہت اختیار نہ کر سکے۔ امید ہے کہ یہ عاجزانہ درخواست قبول کر کے اہل بدعت کی حوصلہ شکنی کر کے عند اللہ ماجور ہوں گے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ سرہندیؒ (المولود شوال ۹۷۱ھ المتوفیٰ ۲۰ر صفر ۱۰۳۴ھ) اپنے مکتوبات میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ:

’’میں نے حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے سنا ہے کہ: ’’حضرت خواجہ (بہاؤ الدین) نقشبند قدس سرہٗ علماء بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر کلال قدس سرہٗ کی خانقاہ میں لے گئے تاکہ ان کو ذکر جہر سے منع کریں۔

علماء نے حضرت امیر کلالؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ: ’’ذکر جہر بدعت ہے، نہ کیا کریں‘‘ امیر کلالؒ نے جواب میں فرمایا کہ: ’’بہت اچھا! نہ کریں گے۔‘‘

جب اس طریقہ کے بزرگوار ذکر جہر سے منع کرنے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں تو پھر سماع و رقص اور وجد کا کیا ذکر؟ وہ احوال و مواجید جو غیر شرع اسباب پر مترتب ہوں، فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہیں۔‘‘ [مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ: ج:۱، مکتوب: ۲۶۶]

اس عریضہ کی صورت میں بندہ ناچیز (عبد الوحید حنفی) بھی یہی عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی نصیحت بھی یہی ہے کہ ذکر جہر (اجتماعی صورت میں) نہ کیا کریں۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کی وصیت بھی یہی ہے کہ:

’’**وَلَا تَحْضُرِ الْمَجَالِسَ الذِّكْر** ’’اور تم مجالس ذکر میں حاضر مت ہونا۔‘‘ [وصایا امام اعظم بنام امام ابو یوسف: ۴۴، مرتبہ مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ، مطبوعہ: ادارۃ المعارف کراچی]

ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے یہ وصیت اسی قسم کی مجالس ذکر کے متعلق فرمائی ہے جو بدعات و منکرات پر مشتمل ہوں۔

الحمد للہ کہ ہم سنی حنفی ہیں، ہمارے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ کی نصیحت پر عمل کرنے میں ان شاء اللہ خیر ہی خیر ہے۔ اس لیے آپ یہ درخواست منظور کرتے ہوئے اپنے الفاظ میں یہ لکھ دیں کہ:

’’بہت اچھا! ذکر بالجہر کی مجالس تداعی و اجتماعی شکل میں نہ کریں گے۔‘‘

تمنا مختصر سی ہے، مگر تمہید طولانی

والسلام خادم اہل سنت عبدالوحید الحنفی مدنی جامع مسجد چکوال

مکتوب راقم الحروف بنام مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی:

از چکوال۔ ۵/شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ ۱۱/اپریل ۲۰۱۹ء۔ بروز جمعرات ۲/بجے دن

جناب محترم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی سلمہ الرحمٰن اِلیٰ یوم المیزان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔

آپ کی تصنیف ''ذکر اللہ کے حلقے، جنت کے باغات'' جس کی تاریخ اشاعت طبع اوّل رجب المرجب ۱۴۴۰ھ مطابق مارچ ۲۰۱۹ درج ہے۔ اور تین ہزار کی تعداد میں ''مکتبہ الشیخ جامعہ زکریا راولپنڈی'' سے شائع کی گئی ہے۔ اور افتتاحی تقریب ۱۷/رجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۲/مارچ ۲۰۱۹ء جامعہ زکریا راولپنڈی کے سالانہ جلسہ میں منعقد کی گئی۔ حال میں ہی اس کے مطالعہ کا موقع ملا۔ آپ نے اپنے سلسلہ کے امتیازی شعار ''[اجتماعی شکل کی] مجالس ذکر اللہ جہری'' کے قیام اور ضرورت پر اپنے سلسلہ کے خانقاہی نظام اور جہری مجالس ذکر اللہ کے جواز پر دلائل تحریر کیے ہیں۔ اس طرح آپ کے سلسلہ کا نقطہ نظر آپ کی تحریر سے آپ کی اس تصنیف سے کُھل کر سامنے آ گیا ہے۔

آپ کی تصنیف سے قبل بسلسلہ ''دفاع شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوریؒ، اکابر اہل سنت کا حقیقی مسلک ومشرب المعروف ''تحفظ عقائد اہل سنت'' جدید ایڈیشن جس میں

فضیلۃ الشیخ یادگار اسلاف حضرت مولانا محمد اسمٰعیل بدات صاحبؒ مدینہ منورہ [خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مرشدی مولانا محمد زکریا صاحبؒ محدث سہارنپوری] ثم مدنی کا مضمون تحقیقی جائزہ

اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب [فاضلِ دیوبند، خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند]

حضرت مولانا سید عبدالشکور صاحب ترمذی ساہیوال [خلیفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب]،

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ کراچی [خلیفہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب]

حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب، [مفتی خیر المدرس ملتان]

حضرت مولانا محمد امین صاحب صفدر اوکاڑویؒ،

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ دارالعلوم کراچی ابنِ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ،

حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہٗ لاہور کے مضامین پر مشتمل ۸۹۵/صفحات پر مشتمل

دستاویزات کا مطالعہ کرنے کی سعادت مل چکی ہے۔

اب دونوں کتابوں کے مطالعہ سے ’’سنت‘‘ اور ’’بدعت‘‘ کا تقابلی مطالعہ، اہل السنۃ والجماعۃ کے محققین اور مفکرین کے مسلک اہل السنۃ والجماعۃ، احناف کا نقطۂ نظر سمجھنا مزید آسان ہوگیا۔ اور ’’سنت‘‘ اور ’’غیرِ سنت‘‘ طریقہ اور عمل کے دلائل پر مبنی واضح ہوگئے ہیں۔ ؎ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

تیس سال قبل جو بصیرت اللہ تعالیٰ نے بعض اکابر کو نصیب کی تھی وہ اَب حالات سامنے آگئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتباعِ سنت کی سعادت نصیب کریں۔ اور شرک اور بدعت کے فتنہ سے محفوظ رکھیں آمین۔

آپ کی تصنیف کے مطالعہ سے بعض نئی چیزوں کا انکشاف ہوا۔

مولانا نثار احمد صاحب الحسینی نے لکھا ہے کہ:

(۱)...... ’’حضرتِ اقدس مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی دامت برکاتہم سے اس وقت ایک عالَم مستفیض ہو رہا ہے، عرب وعجم میں آپ کے چار سو (۴۰۰) کے قریب خلفاء اصلاح وارشاد کی عظیم دینی خدمت میں مشغول ہیں۔‘‘ [ذکر اللہ کے حلقے: ۵۰]

(۲)...... ان خلفائے کرام میں وقت کے اکابر علماء، مشائخ، مفسرین، محدثین اور مفتیان کرام شامل ہیں جو عرب وعجم، یورپ وافریقہ میں سینکڑوں مقامات پر باقاعدہ اہتمام سے مجالس ذکر اللہ منعقد کر رہے ہیں۔

(۳)...... اسی طرح یہ حضرات الحمد للہ مجالس ذکر ودرود شریف کی تائید وتحسین فرما رہے ہیں اور الحمد للہ مخلوق خدا اس مسنون عمل، ان جنتی باغات اور معرفت کے ان چشموں سے سیراب ہو رہی ہے۔‘‘ [ایضاً]

تبصرہ: اس سے معلوم ہوا کہ: آپ ۴۰۰ (چار سو) کے قریب خلفاء کو اپنے سلسلہ کی اجازت دے چکے ہیں اور وہ دنیا بھر میں ’’[اجتماعی صورت میں] مجالس ذکر اللہ جہری‘‘ اپنی اپنی خانقاہوں میں قائم کر کے سینکڑوں مقامات پر باقاعدہ اہتمام سے مجالس ذکر اللہ منعقد کر رہے ہیں۔ اور اس عمل کو مسنون عمل قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ

۱)...... حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ فرما گئے ہیں کہ: ’’یہ مجلس ذکر فرض، واجب یا سنت نہیں ہے۔ اور نہ ہم کسی شخص پر اُسے لازم قرار دیتے ہیں۔‘‘ [خدام الدین، ۱۰ر فروری ۱۹۶۶ء]

۲)...... حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے جانشین مولانا عبید اللہ انورؒ فرماتے ہیں:

’’حضرتؒ نے ایک مرتبہ مجلس ذکر موقوف کر دی تھی اور اپنی بیماری اور بڑھاپے کا عذر کیا تھا۔ حالاں کہ حضرت کا مزاج یہ تھا کہ انہوں نے کسی حالت میں درسِ قرآن کا ناغہ نہیں کیا۔ مجلس ذکر کو موقوف کرنے کا ارادہ محض اس لیے ظاہر کیا کہ لوگ اس کو فرض یا واجب نہ سمجھنے لگ جائیں۔‘‘ [ہفت روزہ خدام الدین، ۱۰ر جولائی ۱۹۹۸ء، بحوالہ مجلس ذکر ۱۰ر فروری ۱۹۶۶ء]

۳)......حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب محدث سہارنپوریؒ کے مرشد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

''ذکر اللہ اسی وقت مقبول ہے کہ حسب قاعدہ شرع کے ہو۔ نہ بطور بدعت و معصیت کے، پس جو ذکر مرکب بدعت و معصیت سے ہوگا، اس کی شرکت بھی ممنوع ہووے گی۔ چناں چہ پہلے بھی جو اس سلسلہ (مغالطہ) کا ہو چکا ہے کہ منع کرنا بوجہ بدعت ہے، نہ کہ بوجہ ذکر کے۔'' [براہین قاطعہ: ۱۱۳، دارالاشاعت]

۴)......شیخ الشیوخ حضرت امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

''اور صوفیاء کا عمل حلال و حرام ہونے میں سند نہیں ہے۔

کیا یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سپرد کردیں۔

اس جگہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول معتبر ہے نہ کہ حضرت ابوبکر شبلیؒ اور حضرت ابوالحسن نوریؒ کا عمل۔ اس زمانے کے کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر رقص و سرود کو اپنا دین و ملت بنالیا ہے۔ اور اسی کو طاعت اور عبادت سمجھ لیا ہے۔''

[مکتوبات مجدد الف ثانی، ج:۱، مکتوب ۲۲]

۵) حضرت مولانا علامہ سرفراز خان صاحب صفدرؒ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا ذکر ایک عمدہ ترین عبادت ہے اور دعا کرنا بھی ایک اعلیٰ ترین نیکی اور قربت ہے۔ مگر اسی طریقہ سے جس سے شریعتِ حقہ نے راہنمائی کی ہے۔ جس موقع پر جہر کے ساتھ ذکر کرنے کا حکم ہے (مثلاً عرفہ کی فجر سے لے کر آخر ایام تشریق تک اور حج کے دنوں میں تلبیہ وغیرہ) تو وہاں جہر کرنا سنت ہے اور جہاں جہر کا حکم نہیں وہاں آہستہ ذکر کرنا بہتر ہوگا۔ اور اسی صورت میں شریعت کی مراد پوری ہوگی اور یہی حکم ہے دعا کا۔

(ب) دلائل پر نگاہ ڈالنے سے یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ذکر اور دعا آہستہ طریقہ سے بہتر ہے۔ اور یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک ہے۔

جب حضرات ائمہ اربعہ کا ایک مسئلہ پر اتفاق ہو جائے تو یہی امید رکھنی چاہیے کہ حق اُن کے ساتھ ہے۔ اور پھر آج اگر صرف ذکر بالجہر کو پسند ہی کیا جاتا اور دوسرے پہلو کے بارے سکوت اختیار کیا جاتا تب بھی ایک بات ہوتی۔ مگر غضب تو یہ ہے کہ آج ''ذکر بالجہر'' نہ کرنے والے کو وہابی وغیرہ کہہ کر ملامت کی جاتی ہے، اور محل طعن بنایا جاتا ہے۔ اور آج مسلمان اور اہل سنت ہونے کی یہ علامت قرار دی جارہی ہے

کہ اگر ذکر بالجہر کرتا ہو تو سُنّی ورنہ وہابی۔

[۱]......قرآن میں تعلیم اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ.** [پ:۹،الاعراف:۲۰۵]اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے اور جہر سے کم آواز میں۔

[۲]......اور فرمایا: **اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً، اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ.** [پ:۸،رکوع ۷۔ الاعراف:۵۵]پکارو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے، بے شک وہ محبت نہیں کرتا، حد سے بڑھنے والوں کے ساتھ۔

مسنون عمل فرمایا: **اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ.** [طٰہٰ:۱۴] میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو۔

(۲)فرمایا: **وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَ ابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا.** [بنی اسرائیل:۱۱۰]اور نماز نہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ آہستہ بلکہ اس کے بیچ کا طریقہ اختیار کرو۔

حدیث: **اَيُّهَا النَّاسُ اربَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَيْسَ تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَ لَا غَائِبًا وَ اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا قَرِيْبًا وَ هُوَ مَعَكُمْ .** [بخاری شریف:۲/۲۰۵،مسلم شریف:۲/۳۴۶]فرمایا: اے لوگو! اپنی جان پر نرمی کرو، تم اس ذات کو نہیں پکار رہے جو بہری اور غائب ہو، تم سمیع اور قریب ذات کو پکارتے ہو۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آں حضرت ﷺ نے جہر سے روکتے ہوئے آہستہ ذکر کرنے کو پسند فرمایا۔

[۱]۔چناں چہ امام نوویؒ لکھتے ہیں: **ففيه الندب خفض الصوت بالذكر اذا لم تدع حاجة الیٰ رفعة.** [شرح مسلم:۲/۳۴۶] یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آہستہ ذکر کرنا بہتر ہے جبکہ داعیہ رفع صوت کا پیش نہ آئے۔

[۲]۔محدث ابنِ بطالؒ فرماتے ہیں: **وَ قَالَ بطال المذاهب الاربعة عَلٰى عدم استحبابه.** [البدایہ:۱۰/۲۷] چاروں مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) اس پر متفق ہیں کہ جہر سے ذکر کرنا مستحب نہیں۔

[۳]۔حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں کہ: **و المختار ان الامام و الماء موم يخفيان الذكر الا ان احتيج الى التعليم.** [فتح الباری:۲/۲۵۶] مختار بات صرف یہی ہے کہ امام اور مقتدی دونوں ذکر آہستہ کریں، ہاں مگر جب تعلیم کی ضرورت محسوس ہو تو الگ بات ہے۔

۶)......حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کا فرمان:

مولانا امین صاحب صفدر اوکاڑویؒ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے مرید تھے، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت لاہوریؒ سے دریافت کیا کہ: حضرت! ہم ”بریلویوں کے جماعتی ذکر جہر“ کی مخالفت

کرتے ہیں۔ لیکن آپ خود بھی مجلس ذکر کرتے ہیں اور ''جہر کراتے'' ہیں۔ تو حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے فرمایا: ہم تعلیم کے لیے ذکر جہر کراتے ہیں۔'' [ماہنامہ حق چار یار، حضرت جہلمی نمبر، ج:۱۱، ش:۵]

حضرت لاہوری مسجد کے اندر ذکر نہیں کراتے تھے بلکہ مسجد سے باہر ایک حجرہ میں بطور تعلیم ذکر کا طریقہ سکھاتے تھے۔

۷)...... حضرت علامہ ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں: **وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصّوت فی المسجد و لو بالذکر.** [مرقاۃ شرح مشکوۃ: ۲/۲۷۰] ہمارے بعض علماء نے صراحت سے یہ حکم بیان کیا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا، اگرچہ ذکر کے ساتھ ہو، حرام ہے۔

''نتیجہ: آپ نے ملاحظہ کرلیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ ''ذکر بالجہر'' کو بدعت فرماتے ہیں، اور علامہ علی قاریؒ اس کا حرام ہونا نقل کرتے ہیں۔

انصاف سے فرمائیں کہ یہ حرام اور بدعت کس نے کہا ہے؟ کیا امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ملا علی قاری حنفیؒ بھی آپ کے مخالفین کی فہرست میں شامل ہیں؟ خوب ہوش میں آکر جواب دینا۔ **بیّنوا توجروا.**'' [راہ سنت: ۱۷۸]

امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد:

''علامہ حلبیؒ لکھتے ہیں: **و لابی حنیفة ان رفع الصوت بالذکر بدعة مخالف الامر فی قوله تعالٰی اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ.** [پ:۸، رکوع ۱۷، الاعراف: ۵۵] حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے کہ: تم اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے سے پکارو بے شک وہ محبت نہیں کرتا، حد سے بڑھنے والوں کے ساتھ۔ [کبیری: ۵۶۶]

اس عبارت سے بصراحت یہ معلوم ہوا کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے مذکورہ ارشاد کے مخالف بھی ہے اور بدعت بھی ہے۔

''فریقِ مخالف کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ وہ ''ذکر بالجہر'' نہ کرنے والوں کو وہابی کہتا ہے اور ذکر بالجہر کو اہل سنت کی علامت قرار دیتا ہے۔ **لَا حَولَ وَ لَا قوّةَ اِلَّا باللّٰه.** [راہ سنت: ۱۷۷]

''نتیجہ: جب قرآن کریم اور حدیث شریف میں آہستہ ذکر کرنے کا حکم ہے تو اس کے خلاف کسی کا علم کس طرح حجت ہو سکتا ہے۔ ثانیاً: حضرات ائمہ اربعہ جہر سے ذکر کرنے کو غیر مستحب کہتے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اس کو بدعت کہتے ہیں۔

نیز تصریح کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مخالف ہے۔ جب حضرات ائمہ کا ''ذکر بالجہر کے خلاف

اتفاق ہے۔‘‘تو ذکر بالجہر کے جواز پر اتفاق کیسے ہوا؟ کیا ائمہ اربعہ متقدمین میں نہ تھے؟[راہِ سنت:۱۷۹]

حضرت امام حنیفہؒ کی وصیت:

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے (جن کا علمی سلسلہ بالواسطہ حضرت ابنِ مسعودؓ تک پہنچتا ہے) امام ابو یوسفؒ کو جو وصیتیں فرمائیں ان میں ایک وصیت یہ تھی۔ **وَ لَا تحضُرُ مَجَالِسَ الذِّکر.** ’’اورتم مجالس ذکر میں حاضر مت ہونا‘‘[**الاشباہ والنظائر مع شرحہ الحموی**: جلد۴تحت۔۔۔۔السابع۔وجموعہ وصایا امام اعظم ابوحنیفہ، مترجم: مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہریؒ، ادارۃ العارف کراچی]

ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے یہ وصیت اس قسم کی مجالس ذکر کے متعلق فرمائی ہے، جو بدعات و منکرات پر مشتمل ہوں۔جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے حوالے سے گزرا۔

احادیث میں جن مجالس ذکر کو ریاض الجنہ اور حلقۂ ذکر کہا گیا ہے اس کا مفہوم بہت عام ہے۔ اس کی تشریح دوسرے مقام پر کردی گئی ہے۔اور آپ نے ان خاص مجالس ذکر سے منع فرمایا ہے جو بدعات پر مشتمل ہوں اور یہی ہماری بحث کا موضوع ہے۔

علامہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی تعلیم:

’’مسائل میں جذبات کو تو دخل نہیں، اس میں تو درمختار اور شامی ہی کو امام ماننا پڑتا ہے۔اور ان حضرات کی آراء مقدم ہوتی ہیں، جو ہروقت فتاویٰ نویسی میں رہتے ہیں۔‘‘[آپ بیتی، حضرت شیخ الحدیث]

علامہ شامیؒ نے بھی رد المحتار میں اس اصول کو نقل کیا ہے:**لا یمنع من ذکر اللہ تعالیٰ فی وقت من الاوقات بل من ایقاعہ علی وجہ البدعۃ.** [کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ العیدین] اللہ تعالیٰ کا ذکر خواہ وہ کسی بھی وقت ہو، ممنوع نہیں ہے، بلکہ اصل ممانعت اس کو بدعت کے طریقہ پر کرنے میں ہے۔

مجالس ذکر میں بدعتی صورت پیدا نہ ہو:

مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

[۱]۔دل تو چاہتا ہے کہ یہ سلسلہ کسی طرح جاری ہو جائے، اللہ تعالیٰ شانہٗ مدد فرمائے۔اور خدا کرے کہ آپ کے ہی ذریعہ سے یہ سلسلہ چلے۔اس کا لحاظ ضروری ہے کہ بدعتی صورت پیدا نہ ہو جائے۔مثلاً یہ کہ ایک حلقہ میں سب کا ذکر نہ ہو۔علیحدہ علیحدہ نشستیں۔اس کو آپ ہی خود اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ایک نشست یعنی بالکل اجتماعی صورت یہاں نہ ہو۔[۱]

مدرسہ قدیم میں جیسے متفرق لوگ کرتے رہتے ہیں اس میں مضائقہ نہیں۔

---

[۱] لیکن اس کے برعکس مولانا عزیز الرحمٰن صاحب عام جلسوں میں، تقریر کے آخر میں ’’اجتماعی ذکر بالجہر‘‘ کرا کے بدعتی صورت پیدا کر رہے ہیں۔اور جو ایسا کرنے سے روکتا ہے اُسے ذکر کا مخالف قرار دیتے ہیں۔

[۲]سوال منجانب مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی

”بغیر بیعت کے ذکر جہر مناسب ہے یا نہیں؟“

جواب: مناسب نہیں [۲]

[۳]سوال منجانب مفتی محمود احسن صاحب گنگوہی:

”سوم کلمہ، درود شریف، استغفار میں تو غالباً مضائقہ نہ ہوگا۔“

جواب منجانب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب: جہر سے نہ ہو۔ [۳]

[اقتباس مکتوب شیخ الحدیث مولانا زکریا، ۱۶/ جمادی الاولیٰ، از تربیت السالکین: ۱۵۷]

تربیت السالکین مکتوب ۵۹ بنام ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب:

”ذکر کے متعلق میں نے متعدد احباب کو خطوط میں لکھا ہے کہ وہاں جہر نہ کیا جائے۔ خواہ مخواہ کوئی رستے چلتا دیکھ کر مخالفت کرے۔ اپنے مقامات پر تخلیہ کی جگہ ہو تو مضائقہ نہیں، ورنہ آہستہ کیا جائے۔“

[تربیت السالکین: ۱۰۷]

ذکر جہر کو بھی بدعت جان کر منع کیا ہے:

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

”اور طرق صوفیہ میں سے طریقہ علیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا بہت مناسب اور بہتر ہے۔ کیوں کہ ان بزرگوں نے سنت کی متابعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو متابعت کی دولت حاصل ہو اور احوال کچھ بھی نہ ہوں تو خوش ہیں اور اگر احوال کے باوجود متابعت میں فتور جانیں تو احوال کو پسند نہیں کرتے۔

یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے سماع و رقص کو جائز نہیں سمجھا اور ان احوال کا جو جان پر مترتب ہوتے ہیں، کچھ اعتبار نہیں کیا ہے۔ بلکہ ذکر جہر کو بھی بدعت جان کر اس سے منع کیا ہے۔ اور وہ فائدے اور ثمرے جو اس پر مترتب ہوتے ہیں، ان کی طرف التفات نہیں۔

---

[۲] جبکہ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی جلسہ عام میں تقریر کے بعد مجمع میں متفرق مشائخ کے مریدین کو ذکر بالجہر ہی نہیں اجتماعی ذکر بالجہر کرانا شروع کر دیتے ہیں۔ ۱۲

[۳] جبکہ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی اور ان کے بقول ان کے ۴۰۰ر کے قریب خلفاء اپنی اپنی خانقاہوں میں ”جہری ذکر اللہ کی اجتماعی مجالس“ منعقد کراتے ہیں اور بدعتی صورت کو کھلم کھلا اپناتے ہیں۔ اس سے اس بات کا شدید خدشہ ہے کہ بدعت کا یہ سلسلہ آگے چل کر حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے سلسلے کے تمام لوگوں میں رائج ہو جائے اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا ہدایت نامہ نظر انداز کر دیا جائے۔ ۱۲

ایک دن حضرت ایشاںؒ کی ملازمت میں مجلس طعام میں حاضر تھا۔ شیخ کمال نے جو حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے مخلص دوستوں میں تھا، کھانا شروع کرتے وقت حضرت ایشاں کے حضور میں اسم اللہ کو بلند کیا، حضور کو بہت ناخوش معلوم ہوا اور یہاں تک کہ جھڑکا اور فرمایا کہ اس کو کہہ دو کہ ہماری مجلس طعام میں حاضر نہ ہوا کرے۔ اور میں نے حضرت ایشاںؒ سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ علمائے بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر قدس سرہٗ کی خانقاہ میں لے گئے تھے، تا کہ ان کو ذکر جہر سے منع کریں۔

علماء نے حضرت امیرؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ ذکر جہر بدعت ہے، نہ کیا کریں۔

انہوں نے جواب میں فرمایا کہ نہ کریں گے۔

جب اس طریقہ کے بزرگوار ذکر جہر سے منع کرنے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں تو پھر سماع، رقص اور وجد کا کیا ذکر ہے۔

وہ احوال ومواجید جو غیر شرع اسباب پر مترتب ہوں، فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہیں۔ کیوں کہ استدراج والوں کو بھی احوال واذواق حاصل ہوتے ہیں۔

اور جہان کی صورتوں کے آئینوں میں کسف وتوجید اور مکاشفہ ومعائنہ ان کو ظاہر ہو جاتا ہے۔

اس امر میں حکماء یونان اور ہند کے جوگی اور برہمن سب برابر ہیں۔ احوال کے سچا اور صادق ہونے کی علامت علوم شرعیہ کے ساتھ ان کا موافق ہونا اور محرم اور مشتبہ امور کے ارتکاب سے بچنا ہے۔''

[مکتوبات مجدد الف ثانی، مکتوب ۲۶۶، از: حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ]

صوفیہ کا عمل حل وحرمت میں سند نہیں:

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی حنفیؒ لکھتے ہیں:

''امام ہمام ضیاء الدین شامی کی ملتقط میں مذکور ہے: ''اور صوفیہ کا عمل حل وحرمت میں سند نہیں۔ صرف یہی کافی نہیں کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں۔ اور ان کا امر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔

یہاں تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلیؒ اور ابی حسن نوریؒ کا عمل۔ اس زمانہ کے کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ کر کے رقص وسرود کو اپنا دین بنایا ہے۔

اَلَّذِین اتخَذُو دِیۡنَھُمۡ لھوا وَ لَعِبًا. جنہوں نے لہو ولعب کو اپنا دین بنالیا ہے۔

اور روایت سابقہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ جو شخص فعل حرام کو مستحسن اور اچھا جانے وہ اسلام کے گروہ سے نکل جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے۔ الخ

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ہمارے پیر اس امر میں مبتلا نہ ہوئے اور ہم تابعداروں کو اس قسم کے امور کی تقلید سے چھڑایا۔'' [مکتوبات مجدد الف ثانی: ج:۱، مکتوب ۲۶۶]

''اگر آج کے صوفی انصاف کریں تو ان پر لازم ہے کہ وہ سنت سے ہٹ کر اپنے مشائخ کرامؒ کی پیروی نہ کریں اور نئی نئی بدعات کو اس عذر کے ساتھ دین نہ بنائیں کہ ہمارے بڑے ان پر عمل کرتے تھے۔ کیوں کہ بے شک اتباع سنت میں یقیناً نجات ہے۔ سنت کے علاوہ تقلید کرنے میں خطرے ہی خطرے ہیں۔'' [مکتوبات مجدد الف ثانی: ج:۱، مکتوب: ۲۳]

والسلام خادم اہل سنت عبدالوحید الحنفی ؔ

شب ۷/شعبان ۱۴۴۰ھ چکوال۔ ۱۲/اپریل ۲۰۱۹۔ ۱۲/بجے شب

آخری کلام:

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فتنوں سے محفوظ رکھیں اور اتباعِ سنت میں زندگی گزارنے کی توفیق نصیب کریں۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔ **وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّهٖ دَائِمًا وَ سَرْمَدًا.**

خادم اہل سنت حافظ عبدالوحید الحنفی ؔ ساکن اوڈھروال (تحصیل وضلع چکوال)

۱۶/جمادی الثانیہ ۱۴۴۱ھ، ۱۱/فروری ۲۰۲۰ء بروز منگل

راقم الحروف عبدالوحید الحنفی ۱۱/مئی ۱۹۴۹ء میں دنیا میں آیا۔ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی ۲/فروری ۱۹۴۸ء کو دنیا میں آئے تھے۔ حضرت سے نصف صدی خط و کتابت رہی۔ آخری خط کے بعد کوئی جواب نہیں آیا۔

گذشتہ ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق اگست ۲۰۱۹ء میں حج کے موقع پر حرم شریف مکہ معظّمہ میں ایک دن اچانک ملاقات ہوگئی۔ اس کے بعد بھی خط کے جواب کا انتظار رہا، لیکن آپ کی جانب سے خاموشی رہی۔ آخر ۲۳/جون ۲۰۲۰ء کو آپ کا انتقال ہوگیا۔ اس طرح یہ خط و کتابت دونوں کے اعمال نامہ کا حصہ بن گئی۔

اس خط و کتابت سے اپنے اپنے عقائد ونظریات کا باب بند ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا عزیز الرحمٰن ہزارویؒ کی حسنات کو قبول فرمائے۔ اور ہماری سیئات کو معاف فرمائے اور آخرت میں ہم کو اپنے اُن بندوں میں اٹھائے جن کا خاتمہ بالایمان ہو اور مغفرت اور رضا نصیب ہو۔ آمین بجاہِ النبی الکریم ﷺ

خادمِ اہل سنت عبدالوحید الحنفی ؔ چکوال

۵/ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۷/جون ۲۰۲۰ء۔ بروز ہفتہ بوقت ۴/بجے دن

خواب میں ملاقات:

گذشتہ شب یعنی شب ۵/ ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق شب ۲۷/ جون ۲۰۲۰ء کو ایک خواب دیکھا کہ بندہ کسی جگہ موجود ہے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب تشریف لے آئے۔ ساتھ مولانا محمد عتیق صاحب اور دوسرے احباب بھی تھے۔

بندہ کو چند سورتیں پڑھ کر ایصالِ ثواب کے لیے اور دعا کرنے کے لیے کہا۔ چنانچہ اس کے بعد بندہ نے اور آپ نے دعا کی اور پھر وہ تشریف لے گئے۔

تعبیر تو مُعبر حضرات ہی سمجھ سکتے ہیں۔ بندہ پہلے بھی دعا کرتا تھا، اَب بھی دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب اہل السنۃ والجماعۃ کو سنت کے مطابق ذکر کرنے کی سعادت نصیب کریں اور بدعتی طرز کو موقوف کرنے کی توفیق نصیب کریں۔ آمین بجاہِ النبی الکریم ﷺ

خادمِ اہل سنت عبدالوحید الحنفی چکوال۔ ۵/ ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۷/ جون ۲۰۲۰ء

صفحہ نمبر 34 کا **بقیہ**......(یوٹیلٹی بلز میں تاخیر کی وجہ سے جرمانہ عائد کرنے کا شرعی حکم)

لیکن اس کے لئے جائز متبادل کے طور پر یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ جو شخص ادائیگی میں تاخیر کرے، اس کا کنکشن کاٹ کر میٹر اٹھوالیا جائے، پھر اگر تحقیق وتفتیش سے ثابت ہوجائے کہ تاخیر کرنے والا واقعتاً مجرم ہے تو ایسے شخص کو مستقل طور پر یا کسی مخصوص مدت تک کے لئے ان سہولیات سے محروم بھی کیا جاسکتا ہے اور یہ ان شاء اللہ ایک نہایت مؤثر حربہ ثابت ہوگا، ورنہ دوبارہ کنکشن بحالی میں چونکہ ادارے کی طرف سے خدمت وتعاون کی ضرورت ہوگی، اس خدمت کے بدلے یہ رقم وصول کیا کریں، اگر ہر مہینہ اس طرح انتظام کرنا مشکل ہو تو باہمی غور وفکر سے اس کے لئے کوئی مخصوص دورانیہ بھی مقرر کیا جاسکتا ہے، نیز سود جیسی خرابی سے بچنے کے لئے اگر کچھ تھوڑی سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے تو بھی کوئی بڑی بات نہیں۔ نیز یہ صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ ایک ضابطہ مقرر کیا جائیکہ مقررہ مدت سے جو ادائیگی میں تاخیر کریگا اگلے مہینہ اس کے لئے فی یونٹ قیمت میں اضافہ کیا جائے۔

متعلقہ محکمہ اور اس کام کے تجربہ کرنے والے حضرات اس کے علاوہ بھی کوئی مناسب متبادل حل نکال سکتے ہیں، لیکن ضروری ہے کہ کسی بھی تجویز کو عمل یا قانون کا جامہ پہنانے سے اہل علم سے اس کی شرعی حیثیت معلوم کروائی جائے اور یہ اطمینان کروایا جائے کہ اس مجوزہ تدبیر میں سود اور اس کے علاوہ کوئی بھی شرعی سقم موجود نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ عقلِ سلیم اور صراطِ مستقیم نصیب فرمائیں۔ ☆☆☆☆

مولانا مجیب الرحمٰن،ڈیرہ اسماعیل خان قسط:۳

غامدی صاحب کے مزعومہ اجتہادات پر ایک نظر

امام ابوالحسن علی بن محمدبن الحسین بزدوی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”الذی جعل الخبرفیه حجة وذالک خمسة انواع مایخلص حقاًلله تعالی من شرائعهٖ ممالیس بعقوبة والثانی ماهوعقوبة من حقوقهٖ، والثالث من حقوق العبادمافیه الزام محض والرابع من حقوق العبادمالیس فیه الزام والخامس من حقوق العبادمافیه الزام من وجه دون وجه فاماالاول فمثل عامة شرائع العبادات وخبرالواحدفیهاحجة. [اصول البزدوی مع شرح کشف الاسرار:۲۷/۳]

وہ موقع جس میں خبرواحد حجت مانی گئی ہے اُس کی پانچ قسمیں ہیں،اول اُن احکام میں جو خالص اللہ تعالی کا حق ہیں اورازقبیل سزانہیں ہیں،دوسرے وہ جواللہ تعالی کے حقوق ہیں اورازقبیل سزاہیں،تیسرے وہ جوبندوں کے حقوق ہیں جن میں محض الزام (حق لازم کرنا) ہے،چوتھے بندوں کے حقوق جن میں الزام نہیں ہے،پانچویں بندوں کے وہ حقوق جن میں ایک لحاظ سے الزام ہے اوردوسرے لحاظ سے نہیں ہے،اول سے مرادعبادات اورعبادات کی مثل اعمال کے عام احکام ہیں،اُن میں خبرواحد حجت ہے۔

دیکھیں یہ اصولی حضرات عبادات یعنی فروعِ دین نمازوغیرہ کے مسائل میں اوراُن کے ہم مثل یعنی وضوءوغیرہ میں اخبارآحادکوحجت مانتے ہیں یعنی اخبارآحادسے یہ سب چیزیں ثابت ہوتی ہیں،ظاہر ہے کہ سنّت بھی تواِنہی احکام میں سے ہے۔

علامہ ابن الاثیر مجدالدین مبارک بن محمد(م۶۰۶ھ)فرماتے ہیں: **والاحکام تثبتُ بخبرالواحد. [الشافی فی شرح مسندالشافعی:۱۱۰/۵]** خبرواحدسے احکام ثابت ہوتے ہیں۔

علامہ عثمان بن علی زیلعی رحمہ اللہ(م۷۴۳ھ)ایک بحث میں فرماتے ہیں کہ:خبرواحدسے رکنیت اورفرضیت توثابت نہیں ہوتی لیکن وجوب ثابت ہوتاہے۔اورایک جگہ فرماتے ہیں کہ:حرمت اوراللہ تعالی کے باقی حقوق خبرواحدسے ثابت ہوتے ہیں۔

والرکنیة لاتثبت بخبرالواحد بخلاف الوجوب ،الفرضیة لاتثبت بخبرالواحدوانمایفیدالوجوب ،لان الحرمة من حقوق الله تعالی فتثبت بخبرالواحد کسائرحقوقه. [تبیین الحقائق:۱۲۵/۱،۲۱/۲،۱۸۷/۲]

یہی بات علامہ ابو حفص عمر بن اسحاق (م ۷۷۳ھ) [الغرة المنيفة: ۳۹/۱] اور علامہ محمد بن محمد بن محمود بابرتی (م ۷۸٦ھ) اور علامہ بدرالدین عینی حنفی، اور ابن عابدین شامی فرما رہے ہیں۔ [العناية في شرح الهداية: ۴٦۱/۳، البناية: ۲۹۰/۲، ردالمحتار مع الدر المختار: ۲۴۴/٦]

ظاہر ہے کہ خبر واحد سے حرمت اور وجوب ثابت ہوتا ہے تو سنّت بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے، تو غامدی صاحب کا یہ اصول بالکل بے اصل ہے کہ سنت خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتی اور سنت کے ثبوت کے لئے تواتر اور اجماع ضروری ہے، غامدی صاحب کے اِس اصول کے پیچھے اسلاف میں سے کسی کا حوالہ ہمارے سامنے نہیں آیا، نہ ہی خود غامدی صاحب نے اِس اصول کے لئے کوئی ایسا ثبوت پیش کیا ہے۔

حدیث اور غامدی صاحب کا نظریہ

حدیث سے متعلق غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کی روایتیں جو زیادہ تر اخبار آحاد کے طریقے سے نقل ہوئی ہیں، اور جنہیں اصطلاح میں حدیث کہا جاتا ہے، اُن کے بارے میں یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ اُن سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا،...... یہ چیز حدیث کے دائرے ہی میں نہیں آتی کہ وہ دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ بن سکے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ نبی ﷺ کی سیرت وسوانح، آپ کے اسوۂ حسنہ اور دین سے متعلق آپ کی تفہیم وتبیین کے جاننے کا سب سے بڑا اور اہم ترین ذریعہ حدیثِ نبوی ہی ہے۔'' [میزان: ٦۱]

غامدی صاحب کے نظریہ میں حدیث اور سنت کا فرق:

اس عبارت سے ایک تو یہ سمجھ آرہا ہے کہ غامدی صاحب کے نزدیک حدیث اور سنت الگ الگ چیز ہے، سنت حدیث نہیں اور حدیث سنت نہیں ہے، سنت دین ابراہیمی کی روایات ہیں جو نبی کریم ﷺ کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کے ذریعے حاصل ہوئیں، اور حدیث اخبار آحاد کا نام ہے۔

غامدی صاحب کا نظریہ، حدیث سے عقیدہ وعمل ثابت نہیں ہوتا:

غامدی صاحب کی اس عبارت سے اُن کا یہ موقف بھی ظاہر ہے کہ: اخبارِ آحاد یعنی حدیث سے کسی نئے عمل کو اور عقیدے کو ثابت نہیں کیا جاسکتا، حدیث صرف روایاتِ ابراہیمی کی تفہیم وتبیین کرسکتی ہے، نبی کریم ﷺ کے اُسی اسوۂ حسنہ کے بیان میں قبول کی جاسکتی ہے جو اسوۂ حسنہ روایات ابراہیمی پر عمل ہی کا نام ہے، اِس سے زیادہ حدیث یعنی اخبار آحاد کا کوئی کام نہیں ہے۔

اِس سے پہلے کہ ہم یہ بحث کریں کہ اخبار آحاد سے عقیدہ وعمل ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ عرض کئے

دیتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں حدیث کے بارے میں غامدی صاحب کا یہ نظریہ اور منکرینِ حدیث خصوصاً غلام احمد پرویز کے نظریہِ حدیث میں کوئی زیادہ فرق نہیں معلوم ہوتا، وہ بھی اِس قدر حدیثوں کی اہمیت کا قائل تھا، جس قدر غامدی صاحب قائل ہے پھر وہ منکرِ حدیث کیوں ٹھہرا اور یہ قائلِ حدیث کیوں ہیں؟ دونوں کے پاس احادیث کے قبول ورد کے لئے پیمانہ ایک ہے یعنی اپنا فہمِ قرآن، اِس بارے میں اسلاف کی رائے اور سوچ کو لینے کی کوئی ضرورت ان کے ہاں نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کے ارشادات بھی وحی ہیں:

علماء اسلاف اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ اس سے قطع نظر خود نبی کریم ﷺ کے فرامین اس بارے میں جو رہنمائی کرتے ہیں، اُن کا ذکر زیادہ موزوں ہے:

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”خبردار مجھے کتاب (قرآن مجید) دیا گیا اور اُس کے ساتھ اُس کی مثل اور بھی، خبردار قریب ہے کہ پیٹ بھرا آدمی اپنی چارپائی پر بیٹھ کر کہے: تمہیں اِسی قرآن کو لازم پکڑنا ضروری ہے، جو اِس میں حلال پاؤ اُس کو حلال سمجھو، اور جو اِس میں حرام پاؤ اُس کو حرام سمجھو (اور بس) خبردار تمہارے لئے گھریلو گدھے حلال نہیں اور کچلی والے (شکاری) جانور بھی حلال نہیں، ایسے ہی ذمی غیر مسلم کی گری پڑی چیز سوائے اس کے کہ مالک اُس سے بے پرواہ ہو، اور جو کسی کے ہاں جا کر ٹھہرے اُن کے ذمہ ہے کہ اُس کی مہمانی کرے، اگر وہ مہمان کی مہمانی نہ کرے تو مہمان کے لئے جائز ہے کہ اپنی مہمانی کے حق کے بقدر اُن کا کچھ لے لے۔“

یہ حدیث بہت سی کتبِ حدیث میں درج ہے، **سنن ابو داؤد باب لزوم السنّة ح: ۴۶۰۴، سنن ابن ماجه ح: ۱۲، سنن الترمذی ح: ۲۶۶۴، مسند احمد ح: ۱۷۱۷۴، الکفایة فی علم الروایة، ص: ۸، مسند الشامیین للطبرانی ح: ۱۰۶۱، ۱۸۸۱، الشریعة للآجری ح: ۹۷، السنّة للمروزی ح: ۲۴۴، شرح معانی الآثار ح: ۶۴۱۰، ۶۴۱۱، ۶۴۱۲، ۶۴۱۳، صحیح ابن حبان (مبوّب) ۱/۱۸۹، المعجم الکبیر: ۲۰/۲۸۳، ح: ۶۶۹، ۶۷۰، السنن الکبری للبیهقی: ۹/۵۵۶، مشکوة ح: ۱۶۴، جامع بیان العلم صفحه: ۴۳۰، ۴۳۱**، وغیرہ

اِس حدیث کو روایت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو رافع مولی رسول اللہ (ﷺ) رضی اللہ عنہ اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کو حدیث حسن فرمایا، امام حاکم رحمہ اللہ اور ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح

کہا، امام ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح میں درج کر کے صحیح مانا، قاضی محمد بن علی شوکانی نے صحیح کہا (فتح القدیر ۲/ ۱۳۵، ۳/۲۲۴، نیل الاوطار ۸/۱۲۵) مولانا نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے صحیح کہا (فتح البیان ۴/۱۴۶، ۷/۳۰۱) علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدہ سندوں والی قرار دیا ہے۔(**نخب الافکار: ۱۳/۱۵۱**) علامہ محمد بن محمد ابوشہبہ (م ۱۴۰۳ھ) نے حدیث ثابت کہا ہے۔(دفاع عن السنۃ: ۱/۲۱۵)

ان حدیثوں کی سندوں پر بحث سے بات بہت طویل ہو جائے گی، ہم سمجھتے ہیں کہ جب اِن محدثین نے صحیح قرار دیا ہے تو فی الحال سند پر بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

ان حدیثوں سے بہت سی باتیں ثابت ہیں جو نبی کریم ﷺ صراحت کے ساتھ یا اشارتاً فرما گئے ہیں۔

حدیث وسنت بھی اللہ تعالی کے دیئے ہوئے ہیں:

اول: نبی کریم ﷺ کو جو کچھ اللہ تعالی کی طرف سے دیا گیا وہ صرف قرآن مجید نہیں ہے، بلکہ حدیث وسنت بھی اللہ کی طرف سے دی گئی ہیں، اس لئے اہل علم نے اِس حدیث کی تشریح میں بھی اور دوسرے مقامات میں بھی صاف تصریح کی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر اترنے والی وحی صرف قرآن نہیں ہے بلکہ حدیث وسنّت بھی وحی ہے۔

امام ابن کثیر شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولھٰذا قال رسول اللہ ﷺ الا انّی اوتیت القرآن ومثلہٗ معہٗ یعنی السنّۃ والسنّۃ ایضاً تنزل علیہ بالوحی کماینزل القرآن الاانھالاتتلیٰ کمایتلی القرآن. [تفسیر ابن کثیر :۱/۷] آپ ﷺ نے اسی لئے تو فرمایا کہ خبردار مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اُس کی مثل اُس کے ساتھ اور کچھ بھی دیا گیا، مراد سنّت ہے، سنّت بھی نبی کریم ﷺ پر قرآن کی طرح بذریعہ وحی اترتی تھی بس یہ فرق ہے کہ قرآن کی طرح اُس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔

قال الخطابی یحتمل وجھین من التاویل احدھماان معناہ انہ اوتی من الوحی الباطن غیر المتلو مثل مااعطی من الظاھر المتلو، والثانی انہ اوتی الکتاب وحیاًیتلیٰ واوتی من البیان مثلہ ای اذن لہٗ ان یبین مافی الکتاب فیعم ویخص ویزیدعلیہ ویشرع مافی الکتاب فیکون فی وجوب العمل بہ ولزوم قبولہ کالظاھر المتلومن القرآن. [تفسیر القرطبی: ۱/۳۸] امام خطابی فرماتے ہیں اس حدیث کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ آپ ﷺ کو وحی خفی غیر متلو بھی ایسی ہی دی گئی جیسی وحی ظاہر متلو دی گئی ہے، دوم: کتاب بطور وحی متلو دی گئی، اور اُس

کی مثل بیان بھی دیا گیا یعنی آپ ﷺ کو اجازت دی گئی کہ کتاب میں ذکر کئے ہوئے احکام کو بیان کریں، اور تعمیم اور تخصیص کریں اور اضافہ کریں اور مشروع ہونا بتائیں، تو وہ بیان عمل واجب ہونے میں اور قبول کرنا لازم ہونے میں قرآن کی وحی ظاہر متلو کی طرح ہے۔

کان النبی ﷺ ینطق بغیر القرآن عن وحی کمافی حدیث الحدیبیة فی جوابہٖ للذی سألہٗ مایفعل المعتمرو کقولہٖ ان روح القدس نفث فی روعی ان نفساًلن تموت حتی تستکمل رزقھاومثل جمیع الاحادیث القدسیة التی فیھاقال اللہ تعالیٰ ونحوہ الخ.

[التحریر و التنویر: ۹۴/۲۷ علامہ محمدطاہر بن محمدبن محمدطاہر تیونسی م ۱۳۹۳ھ]

نبی کریم ﷺ قرآن کے سوا بھی وحی سے بولتے تھے جیسا کہ حدیبیہ کی حدیث میں ہے اُس شخص کے جواب میں جس نے پوچھا کہ عمرہ کرنے والا کیا کرے، اور جیسا کہ ارشاد فرمایا کہ میرے دل میں روح القدس (جبریل) علیہ السلام نے ڈالا کہ کوئی آدمی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنا پورا رزق حاصل نہ کرلے، ایسے ہی احادیث قدسیہ ہیں جن میں ہے کہ اللہ تعالی نے یوں فرمایا، اور ایسی ہی دوسری روایات، اور سنن ابوداؤد و ترمذی میں حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے کتاب بھی دی گئی ہے اور اُس کی مثل اُس کے ساتھ اور بھی الخ،

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حذیفہ رضی اللہ عنہما سے حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیان میں ارشاد فرمایا:

انّ الروح الامین نفث فی روعی انہ لیس من نفس تموت حتی تستوفی رزقھا.

[ابن ابی شیبة: ۷/۷۹، مجمع الزوائد: ۴/۷۱، حدیث صحیح فتح الباری: ۱/۲۰] جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں ڈالا کہ جب تک آدمی اپنا رزق پورا حاصل نہ کرلے تب تک اُس کو موت نہیں آتی۔

ایک صحابی نے پوچھا کہ میں اللہ کے راستہ میں ثابت قدم ہوکر ثواب کی نیت سے رُخ کرکے نہ پیٹھ دے کر مارا جاؤں تو کیا اللہ تعالی میرے گناہ معاف کردے گا؟ فرمایا ہاں، آدمی واپس جارہا تھا کہ دوبارہ بلا کر فرمایا مگر قرض معاف نہیں ہوگا مجھے جبریل علیہ السلام نے بتایا ہے۔ **[موطاامام مالک: ۲/۴۶۱ ح ۳۱۷]**

قال لی جبریل علیہ السلام لوان عبداً قتل فی سبیل اللہ وعلیہ دین لم یدخل الجنّة حتی یقضی عنہ دینہ. [المعجم الکبیر: ۱۹/۲۴۸ ح ۵۵۹] مجھے جبریل نے بتایا کہ اگر آدمی اللہ کے راستہ میں قتل ہوجائے تو اگر قرض ذمہ پر ہو تو جب تک قرض ادا نہ کیا جائے گا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں:

”قال لی جبریل من مات من امتک لایشرک باللہ شیئاًدخل الجنة. [صحیح البخاری، ح:۳۲۲۲] مجھے جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ آپ کی امت کا جو مسلمان اس حال میں مرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا ہوگا وہ (ایک دن ضرور) جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں:

قال لی جبریل علیہ السلام: انالاندخل بیتافیہ کلب ولاصورة ولاتمثال. [شرح معانی الاثار، ح:۶۹۱۲] مجھے جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ ہم فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر یا مورتیاں ہوں۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

قال لی جبریل علیہ السلام بشرخدیجة ببیت فی الجنة من قصب لاصخب فی ولانصب. [المعجم الاوسط، ح:۲۲۲۱] مجھے جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کو جنّت کے اندراُن کے ایسے گھر کی خوشخبری سنادو جو مروارید (یایاقوت) کا ہوگا جس میں نہ شور نہ تھکاوٹ ہوگی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اوجزلی جبریل علیہ السلام فی الخطبة. [المعجم الاوسط، ح :۴۸۴۵] مجھے جبریل علیہ السلام نے خطبہ مختصر کرنے کا کہا۔

قال لی جبریل علیہ السلام راجع حفصة فانہاصوامة قوامة وانہازوجتک فی الجنة. [المستدرک :۱۶/۴] مجھے جبریل علیہ السلام نے کہا حفصہ سے رجوع کرلیں وہ بہت روزہ رکھنے والی، بہت قیام کرنے والی ہے اور جنت میں آپ کی بیوی ہے۔

قال لی جبریل علیہ السلام یامحمدان مدمن الخمر کعابدالاوثان. [ھذاحدیث صحیح ثابت حلیة الاولیاء ۲۰۴/۳] مجھے جبریل علیہ نے بتایا شراب کا عادی بت پرست کے برابر ہے۔

ابوحیہ بدری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: اے محمد! آپ کا رب آپ کو حکم کرتا ہے کہ یہ سورت **لم یکن** اُبی بن کعب کو پڑھاؤ، تو نبی کریم ﷺ نے اُبی کو فرمایا کہ ابی! میرے رب نے مجھے حکم دیا کہ میں تجھے یہ سورت پڑھاؤں، حضرت اُبی روپڑے اور عرض کیا کہ کیا میرا وہاں بھی تذکرہ ہوگیا؟ فرمایا: ہاں [**مسنداحمد**، ح:۱۶۰۰۰، **شرح معانی الآثار**، ح:۳۶۲۴]

کہاں تک احادیث نقل کروں؟ یہ سب روایات واضح کرتی ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوکر قرآن مجید والی وحی کے علاوہ اور وحی بھی لایا کرتے تھے، اُس وحی میں کہیں آپ ﷺ کو آپ کی ذات سے متعلق مخصوص حکم ہوتا تھا، تو کہیں صحابہ سے متعلق ہوتا تھا، کہیں دنیاوی معاملہ میں حکم ہوتا تھا تو کہیں شرعی معاملہ میں، بہر حال جبریل علیہ السلام ہدایات لاتے تھے، اور وہ ہدایات قرآن مجید میں نہیں ہیں۔

آپ ﷺ کے ارشادات میں ہے:

مجھے حکم دیا گیا کہ سات اعضاء پر سجدہ کروں (ابن حبان ح ۱۹۲۳،) مجھے عیدالاضحیٰ والے دن کو عید بنانے کا حکم دیا گیا (ابن حبان ح ۵۹۱۴) مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیں (ابن حبان ح ۵۸۹۵،) میرے رب نے مجھے موزوں پر مسح کا حکم دیا (مسند احمد ح ۱۸۱۴۵، مستدرک ح ۶۰۶،) میرے رب نے مجھے حکم دیا کہ گانے باجے کے آلات اور شراب اور بت مٹادوں، اور جاہلیت کے کام ختم کردوں (مسند احمد ح ۲۲۳۰۷، جامع بیان العلم ح ۱۰۲۵) آپ ﷺ نے داڑھی کا خلال کرکے فرمایا اِس طرح میرے رب نے مجھے حکم کیا ہے (مسند ابی یعلیٰ ح ۴۲۶۹) پورا وضو فرمایا جس میں مسنون کام بھی کئے پھر فرمایا مجھے میرے رب نے یوں حکم کیا (المعجم الاوسط ح ۲۲۷۷)

یہ حکم اللہ تعالی کی طرف سے دیا گیا مگر کیا اِن سب باتوں کا حکم قرآن مجید میں ہے؟ نہیں تو وہ بھی وحی ہے جو قرآن مجید کے سوا صورت میں آئی، تو حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کے پاس قرآن مجید والی وحی کے سوا وحی بھی آئی ہے اور اُس کے احکام کے علاوہ احکام بھی ملے ہیں، یہ سب حدیثیں اور اِن کے علاوہ احادیث اُس کی تائید کررہی ہیں۔

جو چیزیں حرام ہیں وہ ساری قرآن مجید میں نہیں:

حضرت مقدام وغیرہ رضی اللہ عنہم کی احادیث سے دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ کئی حرام چیزیں وہ بھی ہیں جو قرآن مجید میں نہیں ہیں، اور اُن کی حرمت نبی کریم ﷺ کی احادیث میں ہے، اِس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بطور مثال کئی چیزیں بیان فرمائیں مثلاً:

گھریلو گدھے حرام ہیں:

قرآن مجید کی تبیین وتفہیم کے ذمہ دار حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو گھریلو گدھے حلال نہیں ہیں، اِس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے میرے بیان میں ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مرسل حدیث ہے **انّ رسول الله ﷺ مر بقدور تغلی من لحوم الحمر الاهلية فقال اكفئوها (الآثار للامام ابی یوسف ح ۱۰۶۳)،** رسول اللہ ﷺ ہانڈیوں کے پاس سے گذرے جن میں گھریلو گدھوں کا گوشت اُبل رہا تھا تو آپ ﷺ نے اُن لوگوں کو حکم دیا کہ اِن ہانڈیوں کو اُنڈیل دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **انّ النبی ﷺ نهی عن المتعة وعن لحوم الحمر الاهلية زمن خيبر (بخاری ۵۱۱۵)** خیبر والے سال نبی کریم ﷺ نے نکاح متعہ سے اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرمادیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **انّ الله ورسولهٗ ینهاکم عن لحوم الحمر الاهلية (بخاری ۴۱۹۹، ۵۵۲۸)** رسول اللہ ﷺ کے منادی نے آواز دی کہ اللہ تعالی اور اُس کے رسول ﷺ تم لوگوں کو گھریلو گدھوں سے منع کرتے ہیں۔

اس بارے میں روایات حضرت جابر (بخاری ۴۲۱۹) ابن عمر (بخاری ۴۲۱۵، ۴۲۱۷) عبداللہ بن ابی اوفٰی (بخاری ۳۱۵۵) عبداللہ بن عمرو (مسند احمد ۷۰۳۹) ابوسعید خدری (احمد ۱۱۶۲۳) سلمہ بن الاکوع (احمد ۱۶۵۱۳/۱) عرباض بن ساریہ (احمد ۱۷۱۵۳، ترمذی ۱۴۷۴) ابوثعلبہ خشنی (بخاری ۵۵۲۷) ثابت بن ودیعۃ انصاری (التاریخ الکبیر للبخاری ح ۴۶۹) زاہر اسلمی (بخاری ۴۱۷۳) براء بن عازب (بخاری: ۴۲۲۶) ابن عباس (مسند البزار ۴۹۱۵) ابوامامہ (مسند الرویانی ۱۲۱۴) وغیرہم رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔

کچلی والے شکاری جانور حرام ہیں:

اور فرمایا کہ کچلی والے شکاری جانور بھی حرام ہیں اِن کا ذکر بھی قرآن مجید میں نہیں ہے، میرے بیان میں ہے، اس بارے میں بھی بکثرت صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایات مروی ہیں

حضرت ابوثعلبہ خشنی (موطا ۱۳) ابوہریرہ (بخاری ۵۵۳۰) ابن عباس (مسلم ۱۶[۱۹۳۴]) خالد بن ولید (ابوداؤد: ۳۷۹۰) مقدام بن معدی کرب (ابوداؤد ۳۸۰۴) جابر (ترمذی ۱۴۷۸) ابودرداء (مسند احمد: ۲۱۷۰۶، ۲۷۵۱۲، ۲۷) ابوامامہ (ابن ابی شیبہ ۱۹۸۶۶، ۳۶۸۹۲) عبداللہ بن شبل (الاحاد والمثانی ۲۱۰۶، ۲۸۲۸) عرباض بن ساریہ (مسند البزار ۴۱۹۷) ابن عباس (مسند البزار ۴۹۱۳) ابودرداء (الکنی والاسماء دولابی: ۲۰۰۳) علی بن ابی طالب (شرح مشکل الاثار ۳۴۷۳) وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

حضرت مقدام بن معدی کرب سے مروی نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا اِس کے سوا کوئی مطلب نہیں کہ قرآن مجید میں گھریلو گدھوں اور کچلی والے جانوروں کا حرام ہونا ذکر نہیں ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ کو اُس کو بیان کرنے کی ضرورت ہوئی۔ لیکن غامدی صاحب کہتے ہیں:

> ’’بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے کچلی والے درندوں چنگال والے پرندوں اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے، اوپر کی بحث سے واضح ہے کہ یہ اسی فطرت کا بیان ہے جس کا علم انسان کے اندر ودیعت کیا گیا ہے، لوگوں کی غلطی ہے کہ اُنہوں نے اسے فطرت کے بجائے بیانِ شریعت سمجھا۔‘‘

[میزان: ۳۷]

جی جناب! کسی چیز کی حرمت کا بیان بیانِ شریعت نہیں تو کیا ہے؟ پھر نبی کریم ﷺ نے یہی واضح کرنے کے لئے اِس کو بیان کیا کہ تمام حلال اور حرام قرآن مجید میں بیان نہیں ہیں، بعض حدیثوں میں بھی بیان ہیں، یعنی شریعت کی سب جزئیات قرآن مجید میں نہیں ہیں، بعض جزئیات کو نبی کریم ﷺ کی احادیث میں بیان کیا گیا ہے، قرآن وحدیث دونوں سامنے رکھ کر حلال وحرام کو سمجھو۔

پھر اگر یہ بیانِ فطرت ہے تو بیانِ شریعت کیوں نہیں بن سکتا؟ کیا شریعت فطرت کے موافق نہیں ہوتی؟

جناب کی اس عبارت سے یہ سمجھ آتا ہے کہ اِن چیزوں کی حرمت انسان خود بخود سمجھ جاتے ہیں، فطرت اُنہیں سمجھا دیتی ہے، اور نبی سمجھا کر کوئی نئی چیز نہیں دے رہا ہوتا، تو پھر سوال یہ ہے کہ یہی فطرت اُن صحابہ کرام کی بھی تو تھی جو گدھوں کے گوشت ہانڈیوں میں پکا رہے تھے، اُنہیں آپ ﷺ کی طرف سے یہ فطرت سمجھانے کی کیوں ضرورت ہوئی؟ کیا اُن میں ایسی فطرتِ سلیمہ نہیں تھی جو آپ کی فطرت کی طرح اُن کو سمجھا دیتی کہ یہ تو گندی چیزیں ہیں؟ اور حرمت معلوم ہونے سے پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے گھریلو گدھوں سے متعلق پوچھا گیا تو اُنہوں نے یہ کیوں کہہ دیا کہ یہ تو مجبوری کی وجہ سے منع کیا تھا کہ وہ سواریاں تھیں اور سواریوں کی کمی تھی، ورنہ گدھے حرام نہیں ہیں پھر اُنہوں نے آیت پڑھ دی:

قُل لااجد فیمااوحی الی محرما (مصنف عبدالرزاق ح۸۷۲۷، مسندالحمیدی ح۸۸۲) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حرمت کا علم ہونے سے پہلے کچلی والے جانوروں کے کھانے سے متعلق پوچھا گیا تو اُنہوں نے یہی آیت کیوں پڑھ دی **قُل لااجد فیمااوحی الی محرماًعلی طاعم یطعمہٗ (مصنف عبدالرزاق ح۸۷۰۸، ابن ابی شیبہ ح۱۹۸۷۵)** جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اِن جانوروں کو حرام نہیں سمجھ رہی تھیں۔

بہر صورت صحابہ کا عمل اور پھر آپ ﷺ کا اعلان اور بیان صاف بتاتا ہے کہ یہ بیان بیانِ شریعت ہے، غامدی صاحب ایک آیت کی وجہ سے شدید غلط فہمی کا شکار رہوئے وہ آیت یہ ہے: **اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (سورہ بقرہ آیت ۱۷۳)** ''اُس نے تو بس تمہارے لیئے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ حرام ٹھہرایا ہے'' اس آیت سے یہ سمجھے کہ شرعاً بس یہی چار قسم کے جانور حرام ہیں، باقی جانوروں کا حکم انسانی فطرت پر چھوڑ دیا گیا ہے، کیوں کہ آیت میں **اِنَّمَا** کلمہ حصر ہے، لکھتے ہیں:

''خدا کی شریعت نے بھی ان جانوروں کی حلت وحرمت کو اپنا موضوع نہیں بنایا، بلکہ صرف یہ بتا کر کہ تمام طیبات حلال اور تمام خبائث حرام ہیں، انسان کو اُس کی فطرت ہی کی رہنمائی پر چھوڑ دیا ہے، چنانچہ شریعت کا موضوع اس باب میں صرف وہ جانور اور اُن سے متعلقات ہیں جن کی حلت وحرمت کا فیصلہ تنہا عقل وفطرت کی رہنمائی میں کر لینا انسان کے لیئے ممکن نہ تھا، (پھر اُن چار جانوروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں) اللہ تعالی نے نبیوں کے ذریعے سے اُسے بتایا کہ سور خون مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کئے گئے جانور بھی کھانے کے لئے پاک نہیں ہیں، اور انسان کو اُن سے پرہیز کرنا چاہیئے، جانوروں کی حلت وحرمت میں شریعت کا موضوع اصلاً یہ چار ہی چیزیں ہیں، چنانچہ قرآن نے بعض جگہ **''قل لا اجد فی ما اوحی الیّ الخ''** اور بعض جگہ **اِنَّمَا** کے الفاظ میں پورے حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ اللہ تعالی نے جانوروں کی حلت وحرمت کے باب میں صرف یہی چار چیزیں حرام قرار دی ہیں۔'' [میزان:۳۶]

1) جی جناب! جب عقل وفطرت پوری طرح رہنمائی کر ہی نہیں سکتی تو حلت وحرمت کے بیان میں شریعت کی رہنمائی کی ضرورت ہوئی، اور شریعت قرآن کے الفاظ میں رہنمائی کرے یا حضور ﷺ کے الفاظ میں رہنمائی کرے وہ سب شریعت ہی کی رہنمائی ہے تو اُسے بیانِ شریعت کیوں نہ سمجھیں؟

2) یہ غامدی صاحب کی سخت غلط فہمی ہے جیسا کہ منکرِ حدیث غلام احمد پرویز وغیرہ کو اِنہی آیات سے غلط فہمی ہوئی کہ اُنہوں نے سمجھا کہ شرعاً بس یہ چار ہی جانور حرام ہیں، باقی کتبِ فقہ میں جو حرام جانوروں کی فہرست لکھی گئی ہے وہ بالکل درست نہیں، اب بظاہر جو '**اِنَّمَا**' کلمہ حصر ہے، اور '**قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً** '' **الآیة** میں حصر ہے، تو اِس بارے میں غامدی صاحب کو علم تفسیر کی امہات کتب میں دیکھنا چاہیے تھا کہ پیش روؤں کی تحقیقات کیا ہیں؟ تین تفاسیر کو غامدی صاحب تفسیر کی امہات کتب مانتے ہیں، ابن جریر، رازی، اور کشاف کی تفاسیر۔ (جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

مولانا خادم حسین بدر قسط: ۳

کتاب ''ذکر اللہ کے حلقے'' کا تحقیقی جائزہ

(۴)......اصول نمبر ۴: جس مستحب کو سنت یا واجب سمجھا جانے لگے، وہ ممنوع ہو جاتا ہے!

یہ اصول بھی ذہن نشین رکھیں کہ: امر مستحب کو اگر عوام کے اعتقاد میں سنت و واجب تک سمجھا جانے لگے تو بھی وہ امر مستحب ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں فخر المحدثین، بدر المعلمین، رئیس المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

''جس امر مباح مندوب کے سبب عوام کے اعتقاد میں فساد ہو اس کا ایسی طرح کرنا ممنوع ہے کہ اس کو تغییر حکم شرعی کا لازم ہو جائے عند العوام۔ اور رفع فتنہ عوام کا حتی الامکان واجب ہے۔'' [براہین قاطعہ: ۱۱۸]

''اگر اس کی تداعی یا دوام سے عوام کو فساد عقیدہ حاصل ہو تو اس کا ترک کرنا لازم ہے۔ اگر وہ امر استحباب کے درجہ میں ہو۔'' [براہین قاطعہ: ۱۱۸]

''فرش اور منبر دونوں امر مباح ہیں جبکہ التزام کی وجہ سے عوام اس کو ضروری اور لازم اس محفل کا جانیں گے تو کیوں ان کے حق میں بدعت اور مرتکب کے حق میں مکروہ نہیں ہوگا۔ عوام کے ضروری سمجھنے سے مکروہ ہو جانا مسلم فقہاء کا ہے۔ شرح منیہ میں ہے: **منہا ان العوام یعتقدونہا سنۃ . انتہی.** پس اس صورت میں دونوں مکروہ ہوئے اور بدعت ہوئے۔'' براہین قاطعہ: ۱۸۱]

ایک جگہ یوں فرماتے ہیں:

''اگر کوئی محنت کر کے بالفرض اباحت تخصیص اس قیام (میلاد) کی ثابت کر دیوے تو پھر بھی جب عوام اس کو واجب جاننے لگے تو ان کے حق میں بدعت ہوا۔ اور خواص کو اس کا کرنا مکروہ کہ موجب افساد عقیدہ عوام کا ہے۔ مؤلف کیا خوب سمجھا جواب دیتا ہے کہ اگر کوئی اباحت ثابت کرے گا وہ واجب کس طرح جانے گا۔ سبحان اللہ! معترض کب کہتا ہے کہ خود مستدل واجب جانے گا۔ معترض یہ کہتا ہے کہ ہر چند کوئی اس کی اباحت ثابت کرے مگر تاہم جو عوام اس کو اصرار اور دوام کے سبب واجب جان رہے ہیں ان کے حق میں بدعت ہی ہوئے گا اور مفید جواز کو نہ ہوگا۔...... **قال الحلبی فی وجوہ کراہۃ صلوۃ الرغائب و منہا ان العامہ یعتقدونہا سنۃ فیکون فعلہا سببا لکذبہم علیہ صلی اللہ علیہ و سلم.** پس ظاہر ہو گیا کہ فعل خواص کا جو عوام کی خرابی کا باعث ہو وہ مکروہ ہوتا ہے۔ مؤلف اس امر کو بعض علماء کی طرف نسبت کرتا ہے حالاں کہ جملہ امت کا اتفاق اس پر ہے۔'' [براہین قاطعہ: ۲۴۹، ۲۵۰]

اہل مجالس سے میرا انتہائی ادب سے سوال ہے کہ: امر مستحب کو اگر عوام ضروری سمجھ لے تو وہ امر مکروہ ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں تو کئی پیران گرامی اس کو عملاً واجب سمجھ رہے ہیں تو پھر عوام کا کیا حال ہوگا۔

انتہائی ادب سے میری گزارش ہے کہ: آپ لوگ بریلویوں کی طرح نہ چلیں کہ بدعات سے روکنے والے لوگوں کو اصل بات کا ہی منکر قرار دے دیتے ہیں۔ مثلاً ختم، تیجہ، ساتواں، چالیسواں سے روکنے والے کو وہ ایصال ثواب کا ہی منکر کہہ دیتے ہیں۔ اسی طرح میلاد کی بدعات سے روکنا وہ سرکار کے ذکر خیر کا ہی انکار سمجھتے ہیں۔ اسی طرح آپ لوگ مروجہ مجالس کے خلاف بات کو ذکر اللہ پر فٹ نہ کریں۔ جو طرز رامپوری نے حضرت سہارنپوریؒ اور علماء دیوبند کے خلاف رکھی۔ آپ وہی طرز ہمارے خلاف رکھتے ہیں۔

القصہ اس اصول سے آپ کی مجالس ذکر جو کہ مروجہ ہیں، ممنوع و متروک ہونی چاہییں۔

(۵)......اصول نمبر ۵: جس چیز کی اصل صحابہ وتابعین کے زمانہ میں نہ ہو، وہ گمراہی ہے!

پانچواں اصول یہ بھی ذہن میں رکھیں، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ لکھتے ہیں:

''اصول کی بات وہی ہے جو امام مالکؒ نے فرمائی: **ما لم یکن یومئذٍ دیناً فلا یکون الیوم دینا**. اس لیے جس عبادت کی نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ وتابعین کے زمانہ میں اصل نہ ہو، وہ عبادت نہیں گمراہی ہے۔'' [سنت و بدعت: ۶۸۔ مؤلفہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ]

مروجہ اجتماعی ذکر کو آپ ﷺ، صحابہؓ وتابعینؒ سے صراحۃً کوئی ثابت نہیں کر سکتا، بلکہ اس کا بدعت ہونا صحابہؓ سے ثابت ہے۔

(۶)......اصول نمبر ۶: غیر ضروری عبادت، جس میں اہل بدعت سے مشابہت ہو!

اہل بدعت سے مشابہت:

چھٹا اصول یہ بھی ذہن نشین فرمالیں کہ جب آپ کا عمل اہل بدعت کے ساتھ مشابہ ہو اور وہ ضروری بھی نہ ہو تو پھر اس کو ترک کر دینا چاہیے۔

اسی موقعہ پر بندہ اپنے ایک استاذ گرامی قدر کا ایک واقعہ لکھتا ہے۔ ان کی ایک بڑے بزرگ اور عالم سے گفتگو ہوئی۔ تو وہ فرمانے لگے: جماعت میں جاؤ! تو انہوں نے عرض کیا کہ جب وہ کلمہ پڑھتے ہیں، میں نہ پڑھوں گا۔ تو وہ فرمانے لگے کہ: پڑھ لینا۔ میں نے عرض کیا کہ: تشبہ لازم آئے گا، تو فرمانے لگے: اس نیت سے نہ پڑھنا۔ اِس پر بندہ کے استاذ محترم نے عرض کیا کہ: حضرت! ''عین'' کب ہوگا۔ اگر نیت وارادہ انہی کا رکھ کر پڑھیں، پھر بھی تشبہ ہو تو عین کب ہوگا؟ استاد جی فرماتے ہیں: **فَسَکَتَ وَ سَکَتُّ**۔

ہم تفصیلاً اس پر کلام نہیں کرتے۔ حضرت اقدس سہارنپوریؒ کے ارشاد ہی کو نقل کر دیتے ہیں۔

چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

”چوں کہ یہ قاعدہ مسلم الثبوت تمام امت کا ہے لہٰذا اس کے اثبات میں سبط کی ضرورت نہیں۔(**من تشبہ بقوم فھو منھم** والا) مگر مؤلف نے تین غلطی فاحش کر کے سیوم کو اس کلیہ سے خارج کیا ہے۔ لہٰذا لکھتا ہوں، اوّل یہ کہ مؤلف حدیث: **من تشبہ بقوم فھو منھم** میں تشبہ بجمیع اجزائہ من کل الوجوہ سمجھا ہے کہ سب اجزا و ہیئت مشابہ ہو جائے تو اس وقت تشبہ محظور ہے ورنہ درست ہے۔ اسی وجہ سے لکھتا ہے کہ: کس بات میں تشبہ ہنود کی ہوگئی اور بدون معنی کے اور تشبہ کے لکھے سمجھے صفحہ سیاہ کیا۔ پس سنو کہ حدیث میں لفظ تشبہ کا مطلق آیا ہے، کوئی قید کل یا بعض کی قلیل و کثیر کی نہیں۔ اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ مطلق جس فرد میں پایا جائے وہ حکم مطلق کا اس پر جاری ہوتا ہے۔ اور کوئی قید اس کے ساتھ لگانی درست نہیں۔ ہر ہر فرد میں حکم ثابت ہوگا **المطلق یجری علی اطلاقہ** کہا گیا ہے۔ لہٰذا مطلق تشبہ کی کوئی فرد ہو مصداق حدیث کا ہو جاوے گا، اگرچہ ایک جزو مرکب میں پایا جاوے سب مرکب مجموعہ مکروہ ہو جاوے گا۔ کہ لفظ حدیث کے صاف دلالت اس پر کرتے ہیں، نظیر اس کی سنو کہ ہدایہ میں ہے:

اذا قراء الامام من مصحف فمدت صلوة عند ابی حنیفہ و قال ھی تامہ الا انہ یکرہ لانہ تشبہ اھل الکتاب انتھی. قال فی النھایہ فانھم یُصلون ھکذا فلیکرہ التشبہ لانا نھیناعن التشبہ بھم فما لنا بد منہ، انتھی.

ایضاً ہدایہ میں ہے: **و یکرہ ان یقوم الامام فی الطاق لانہ یشبہ ضیع اھل الکتاب، انتھی۔** پس دونوں روایات کو دیکھ کر تمام ارکان وصلوٰۃ و جماعت میں ایک جزو قرآن کھول کر پڑھنا اور مکان مرتفع پر کھڑا ہونا اہل کتاب سے تھا تو ساری نماز مکروہ ہوگئی۔ [براہین قاطعہ: ۱۲۱،۱۲۲]

القصہ آپ کی مجالس ذکر اور اہل بدعت کی مجالس ذکر میں کیا فرق ہے؟ یہ مشابہت بھی آپ کو روکنے کے لیے کافی ہے۔

مؤلف ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں:

”پس تشبہ کے لفظ سے شارع نے فرض و واجب وسنت مؤکدہ اور امور طبیعہ کو خارج کر دیا ہے گویا حکماً اس میں تشبہ نہیں ہوتا۔ [براہین قاطعہ: ۱۲۳]

ایک جگہ حضرت فرماتے ہیں:

”اگر کسی امر کو کرتا ہے، اور تشبہ عارض ہو جاوے یا معلوم ہو جاوے، تو اب بعد علم اور عروض کے بھی ترک اس کا لازم ہوگا۔ اگر طبعی و شرعی امر نہ ہو اور وہ شعار بھی کفار کا ہو۔

چناں چہ حدیث میں ہے کہ فخر عالم ﷺ جب تک مردہ کو لحد میں نہ رکھتے تھے قبر پر کھڑے رہتے تھے۔ ایک بار یہود نے کہا ہم بھی ایسا کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور یہود کی مخالفت کرو۔ اور

دست چپ میں خاتم پہننا جائز بالحدیث تھا جب روافض کا شعار ہو گیا تو اب مکروہ ہو گیا۔ حالاں کہ نہ قیام یہود سے دیکھ کر کرتے تھے اور نہ خاتم روافض سے کسی نے دیکھ کر سیکھی۔ الخ [براہین قاطعہ: ۱۷۳، ۱۷۴]

مولانا عاشق الٰہیؒ مہاجر مدنی لکھتے ہیں:

”حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ: ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انہی میں سے ہے۔ [مشکوٰۃ المصابیح: ۳۷۸۔ از احمد ابوداؤد] فائدہ: جو شخص اعتقاد یا عمل یا شکل میں کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہی میں سے شمار ہوگا۔“ [تحفة المسلمين: ۹۶۰]

قطب ارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی کا واقعہ سنیئے!

آپ کے جد امجد حضرت عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کا عرس جس کے بند کرنے پر آپ قادر نہ تھے، اس درجہ آپ کو اذیت پہنچاتا تھا کہ صبر کرنا دشوار اور آپ کے لیے زبردست مجاہدہ تھا۔ اول اول آپ ان دنوں میں گنگوہ چھوڑ دیتے اور رامپور تشریف لے جایا کرتے تھے، مگر آخر میں اس ایذا قلبی کے برداشت کی آپ کو تکلیف دی گئی تو یہ زمانہ بھی آپ کو اپنی خانقاہ ہی میں رہ کر گزارنا پڑا۔ اس موسم میں آپ کو اپنے منتسبین کا آنا بھی اس درجہ ناگوار گزرتا تھا کہ آپ اکثر ناراض ہو جاتے اور ترک تکلم فرما دیتے تھے۔ ایک بار جناب مولانا مولوی محمد صالح آپ کی زیارت کے شوق میں بیتاب ہو کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اتفاق سے عرس کا زمانہ تھا، اگرچہ آنے والے خادم کو اس کا وہم بھی نہیں گزرا، مگر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اپنے شیدائی سنت دل کے ہاتھوں مجبور تھے، آپ سے نہ ہو سکا کہ ان کی مزاج پرسی کریں یا محبت و مدارات سے پیش آئیں۔ آپ نے بجز سلام کا جواب دینے کے ان سے یہ بھی نہ پوچھا کہ روٹی کھائی یا نہیں اور کب آئے یا کیوں آئے۔ مولوی محمد صالح صاحب کو دو دن اسی طرح گزر گئے۔ حضرت کا رخ پھرا ہوا دیکھنا جس درجہ ان کو شاق گزر رہا تھا اس کو ان ہی کے دل سے پوچھنا چاہیے۔ ہر چند اس کی وجہ سوچتے مگر کچھ سمجھ میں نہ آتی تھی۔ حاضر خدمت ہوتے اور خاموش بیٹھ کر رنجیدہ و محزون واپس آجاتے تھے۔ آخر اس حالت کی تاب نہ لا کر حاضر خدمت ہوئے اور رو کر عرض کیا کہ: حضرت! مجھ سے کیا قصور ہوا جس کی یہ سزا مل رہی ہے؟ میں تو اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے واسطے معاف فرما دیجیے۔ اس وقت حضرت نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ ”میرا قصور نہیں کیا جس کو میں معاف کر دوں، خدا کی خطا کی ہے اس سے معافی چاہو“۔ اس وقت میں سمجھا کہ عرس کے ایام میں میرا گنگوہ آنا آپ کو ناگوار گزرا۔ چنانچہ معذرت کے طور پر عرض کیا کہ حضرت خدا شاہد ہے مجھے تو عرس وغیرہ کے ساتھ ابتدا ہی سے شوق نہیں، واللہ نہ میں اس وقت اس خیال سے گنگوہ آیا نہ آج کل یہاں عرس ہونے کا مجھے علم تھا۔

حضرت امام ربانی نے فرمایا اگر چہ تمہاری نیت عرس کی شرکت نہ تھی مگر جس رستہ میں دو آدمی عرس کے آنیوالے آرہے تھے، اسی میں تیسرے تم تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''مَنْ کَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ.''

شعارِ قومی میں تشبہ حرام ہے:

بہر حال، میں ایجاداتِ یورپ سے انتفاع کو منع نہ کرتا ہوں اور کورانہ تقلید سے منع کرتا ہوں۔ تشبہ بالکفار جو کہ شریعت میں حرام ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ تشبہ بالکفار امور مذہبیہ میں تو حرام ہے اور شعارِ قومی میں مکروہِ تحریمی ہے۔

باقی ایجادات وانتظامات میں جائز ہے، وہ درحقیقت تشبہ ہی نہیں۔ بعض لوگ ان احکامات کو خارج شریعت سمجھتے ہیں، اس لیے میں نے اس مضمون کو بیان کر دیا۔ اور بتلا دیا کہ شعارِ قومی میں بھی تشبہ حرام ہے۔ گو قسم اوّل کے درجہ میں نہ ہو، مگر پیشاب پاخانہ میں فرق ہونے سے کیا کوئی پیشاب پینا گوارا کرلے گا؟ ہرگز نہیں، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے کوٹ پتلون پہن کر ٹوپی تو اسلامی پہن لی ہے۔ اب تشبہ کہاں رہا۔ میں کہتا ہوں تشبہ کامل نہ سہی ناقص تو ہوا، اگر آپ ایسا کر سکیں تو سارا لباس زنانہ پہن کر اوپر سے مردانہ ٹوپی پہن لیں اور اس سے محفل میں جاسکیں تو ہم آپ کو اسلامی ٹوپی اور کفری پاجامہ کی بھی اجازت دے دینگے۔ صاحبو! مشتبہ صورت بھی ممنوع ہے۔

مشتبہ صورت بھی ممنوع ہے:

ہمارے یہاں ایک طالب علم کنویں کے پاس پاجامہ دھو رہے تھے، میں نے پوچھا یہ پاجامہ پاک ہے یا ناپاک؟ کہا: مشتبہ ہے، میں نے کہا: پھر تم اس کو کنویں کے پاس دھوتے ہو اور یہی ہاتھ ڈول رسی کو لگاتے ہو جس سے سارا کنواں مشتبہ ہو جائے گا۔ تم خانقاہ سے نکلو تم کو ہدایا پڑھ کر بھی پاکی ناپاکی کا خیال نہیں، کہنے لگے: مجھے عقل نہیں۔ میں نے کہا: اس جواب سے جرم کی تو نفی ہو گئی۔ مگر ضرورت اخراج کی نفی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اخراج کے لیے یہ ضروری نہیں کہ جرم ہی پر اخراج ہو بلکہ کم عقلی بھی موجب اخراج ہے۔

غرض ان کو خانقاہ سے نکال دیا گیا۔ تو یہ آپ نے دیکھا کہ مشتبہ پاجامہ کو ناپاک ہی کا حکم دیا گیا، جیسے ناپاک کپڑوں کا دھونا کنویں کے پاس جرم ہے۔ ایسے ہی مشتبہ کپڑے کا دھونا بھی جرم ہے۔ اسی طرح آپ اس کو سمجھ لیجیے کہ اسلامی ٹوپی اور کفری پاجامہ پہننے سے گو آپ بالکل ناپاک تو نہ ہوں گے مگر مشتبہ تو ہو جائیں گے اور اسلام نے مشتبہ سے بھی منع کیا ہے۔ صاحبو! کیا یہ حیرت نہیں ہے کہ ایک برطانوی جرنیل کو تو یہ حق حاصل ہو کہ وہ جرمنی وردی کو جرم قرار دے کیونکہ وہ برطانیہ کا دشمن ہے اور رسول ﷺ کو یہ حق نہ ہو کہ

آپ ﷺ دشمنانِ خدا کی وضع کو جرم قرار دیں۔

تشبہ بالکفار کی تفصیل:

مگر اسلام میں تعصب نہیں چنانچہ تشبہ بالکفار کے مسئلہ میں شریعت نے تفصیل کی ہے کہ جو چیز کفار ہی کے پاس ہو اور مسلمانوں کے یہاں اس کا بدل نہ ہو اور وہ شے کفار کی قومی یا امر مذہبی نہ ہو تو اس کا اختیار کرنا جائز ہے جیسے بندوق، توپ، ہوائی جہاز، موٹر وغیرہ۔ چنانچہ ایک بزرگ نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ دست مبارک میں بندوق ہے اور آپ اس کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں۔ **نعم السلاح** کہ بہت اچھا ہتھیار ہے، میں اس خواب سے استدلال نہیں کرتا، صرف تائیداً بیان کر دیا، ورنہ اصل استدلال قواعد فقہیہ سے ہے، اور اس قاعدہ کی بناء پر نہ ہم ایجادات سے منع کرتے ہیں اور نہ ایجادات یورپ کے استعمال سے منع کرتے ہیں، گو اسلام میں ایجادات کی تعلیم بھی نہیں ہے۔ اور نہ اسلام کا کمال ہے کہ اس میں صرف مقاصد کی تعلیم ہے۔ غیر مقاصد کی تعلیم نہیں، اس کی ایسی مثال ہے جیسے بی اے کے سکول میں جوتا بنانے کی تعلیم نہیں ہوتی۔ اور یہ اس کے لئے نقص نہیں بلکہ کمال ہے اور اگر کسی سکول میں بی اے کے ساتھ جوتا سینے اور پاخانہ کمانے کی بھی تعلیم دی جاتی ہو تو یہ اس کے لئے نقص ہوگا کمال نہ ہوگا۔

اسلام میں تعصب نہیں، غیرت ہے:

حکیم محمود خاں کا یہ کمال تھا کہ وہ جوتا بنانے کی ترکیب نہیں سکھاتے تھے، ہاں یہ بتاتے تھے کہ جوتا اس طرح مت سلواؤ کہ اس کی میخیں ابھری ہوئی ہوں جس سے پیر زخمی ہو جائے۔ اس طرح اسلام ایجادات نہیں سکھلاتا، ہاں یہ سکھاتا ہے کہ کسی ایجاد کو اس طرح اختیار نہ کرو جس سے دین میں خلل ہو یا جان کا خطرہ ہو۔ اسی طرح یہ بتاتا ہے کہ بے ضرورت ایجادات کے درپے ہو کر ضروری کاموں کا ضائع نہ کرو اور ضروری ایجادات میں بھی اس کا لحاظ رکھو کہ موہوم منفعت کے لئے خطرہ قویہ کا تحمل نہ کرو۔ غرض اصول تو ہر ایجاد کے متعلق بتلا دیئے، مگر ان کی ترکیب نہیں بتلائی، کیونکہ یہ مقصود اسلام سے الگ ہے اور کمال اسی کا نام ہے کہ مقصود سے تجاوز نہ کیا جائے۔ یہ تو ان ایجادات کا حکم تھا جن کا بدل مسلمانوں کے یہاں نہیں ہے اور جو ایجاد ایسی ہو جس کا بدل مسلمانوں کے یہاں بھی موجود ہے اس میں تشبہ مکروہ ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے فارسی کمان کے استعمال سے منع فرمایا ہے اور فرمایا: **علیکم بالقوس العربی بھا یفتح اللہ علیکم او کما قال.** کہ عربی کمان کا استعمال کیا کرو اللہ تعالیٰ تم کو اسی کے ذریعہ سے فتوحات دیں گے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عربی اسلحہ ہی سے صحابہ کو فتوحات عطا فرمائیں تو آپ نے فارسی کمان سے اس لیے منع فرمایا کہ اس کا بدل مسلمانوں کے پاس عربی کمان موجود تھی۔ اور دونوں کی منفعت

برابر تھی، صرف ساخت کا فرق تھا۔ غرض اسلام میں تعصب نہیں جیسا کہ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا ہوگا۔ ہاں اسلام میں ''غیرت'' ہے کہ جو چیز مسلمانوں کے پاس بھی ہے اور کفار کے پاس بھی ہے، صرف وضع قطع کا فرق ہے، اس میں اسلام نے تشبہ بالکفار سے منع کیا ہے کہ اس میں علاوہ گناہ کے ایک بے غیرتی بھی تو ہے کہ بلاوجہ اپنے کو دوسری قوموں کا محتاج ظاہر کیا جائے۔ مگر آج کل مسلمانوں میں غیرت نہیں رہی۔ کہ یہ اپنے گھر سے نیچر ہو کر بلکہ یوں کہئے کہ اپنے گھر کو آگ لگا کر دوسروں کی عادت ومعاشرت کا اتباع کرنے لگے بس نئی مثال ایسی ہے جیسے مولانا فرماتے ہیں:

یک سبد پر نان تر بو بر فرق سر   تو ہمی جوئی لب نان در بدر

روٹیوں کا ایک بھرا تھال پیر سے سر پر ہے اور تو ندی کے کنارے در بدر روٹی ڈھونڈ رہا ہے۔

تا بہ زانوی میان قعر آب   وز عطش وز جوع کشتی خراب

پانی کی گہرائی کے درمیان زانو تک پیاس اور بھوک سے کشتی خراب ہے۔

اسی اصول میں یہ بات عرض خدمت ہے کہ مشابہت تو اہل بدعت سے ہو چکی کہ یہ ان کا شعار بھی بن چکا ہے، اس لئے یہ ہم تو پسند نہیں کرتے کہ خدا ان میں ہمارا شمار کرے، بعد علم اگر کوئی پسند کرے تو اس کا اپنا نصیب ہے۔

اور یہاں یہ بات بھی مدنظر رہے کہ ایک جائز امر سے اگر اہل باطل کی تائید وتقویت ہو تو وہ جائز امر بھی ممنوع ٹھہرتا ہے۔

میں صرف دو حوالے عرض خدمت کرتا ہوں۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

''اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر اپنے کسی جائز فعل سے دوسروں کو ناجائز کاموں کی گنجائش ملتی معلوم ہو تو یہ جائز فعل بھی اس کے لئے جائز نہیں رہتا۔ جیسے اگر کسی عالم کے جائز فعل سے جاہلوں کو مغالطہ میں پڑنے اور ناجائز کاموں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اس عالم کے لئے یہ جائز فعل بھی ممنوع ہو جائے گا بشرطیکہ یہ فعل شرعاً ضروری اور مقاصد شرعیہ میں سے نہ ہو۔ اس کی مثالیں قرآن اور حدیث میں بہت ہیں۔'' [معارف القرآن: ۱/۲۸۰ سورہ نمبر ۲ آیت نمبر ۱۰۴]

امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آج کل اکثریت کے ذہن چونکہ خراب ہیں اور وہ آنحضرت ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھ کر الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھتے ہیں۔ لہٰذا صحیح العقیدہ ہونے کے باوجود ان الفاظ سے گریز کرنا چاہیے تاکہ کسی باطل فرقے کی تائید نہ ہو۔'' [ذخیرۃ الجنان: ۱/۳۱۶، سورہ نمبر ۲ر آیت نمبر ۱۰۴]

قطب الارشاد فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں

”حالانکہ صحابہؓ کی نیت میں کوئی معنی قبیح نہ تھے، مگر بسبب مشابہت اور موہم معنی قبیح کے یہ الفاظ ممنوع ہوگئے، پھر عوام اس سے شرک وگناہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔“ [تالیفات رشیدیہ: ۹۲]

اہل مجالس کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ اپنے فعل مروجہ مجلس ذکر کو جائز کیا مستحب سے بھی کچھ آگے سمجھتے ہوں گے، مگر جب اس سے اہل باطل کی تقویت وتائید ہورہی ہے تو یقیناً آپ کو اپنے عمل پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

انتہائی افسوس سے ایک بات کرنی پڑتی ہے کہ مجالس ذکر پر جو دلائل آج تک اہل بدعت دیتے آئے وہی آپ کی طرف سے نظر آتے ہیں اور اہل سنت کے دلائل کے جو جواب وہ دیتے ہیں وہی بلکہ اس سے مازاد کر کے آپ لوگ دے رہے ہیں۔ خدارا! کچھ مہربانی فرمایئے اور مسلک دیوبند کا خیال فرمائیں۔

(جاری ہے۔۔۔)

وفیات

مولانا اشرف علی سرگودہا کے والد محترمؒ، جامعہ خیر المدارس کے استاذ الحدیث مولانا منظور احمدؒ، حضرت قائد اہل سنتؒ کے قدیم معتقد بابا فیض اللہؒ، پیر جی عبد اللطیفؒ چک ۱۱، چیچہ وطنی کی صاحبزادیؒ، حضرت درخواستیؒ کے برادرِ نسبتی مولانا عبد الحنانؒ، حضرت تھانوی کے خلیفہ مولانا مسیح اللہؒ کے پوتے مولانا ضی اللہؒ، مجاہد ختم نبوت جناب دین محمد ثاقبؒ، دار العلوم مدنیہ بہاول پور کے فاضل مولانا سہیلؒ، جناب اشتیاق احمد مرحوم کی اہلیہ محترمہؒ، حسین صاحب کراچی کے والد محترمؒ، مولانا امتیاز نسیم گجرات کے سسر محترمؒ، حضرت امام اہل سنتؒ کے برادر نسبتی مولانا محمد معروفؒ، مولانا عبد الرؤف نعمانی کی پھوپھوؒ، دار العلوم کراچی کے استاذ مولانا راحت علی ہاشمی کے بھائی جناب اطہر علی ہاشمیؒ، شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی نواسی مولانا محمد شاہد سہارنپوری کی اہلیہؒ، جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی راہنما مولانا حافظ حسین احمد کی والدہ ماجدہؒ، جامعہ مظہریہ حسینیہ کے طلبہ منور اور سجاد کی نانی محترمہؒ، مولانا اصغر علی ربانیؒ، امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ کی پوتیؒ، مولانا سعد کاندھلوی کی ہمشیرؒ، مولانا محمد طیب کشمیری کی ہمشیرؒ، مولانا مفتی رشید احمد اوکاڑہ کی پھوپھوؒ، جناب رضوان صاحب کراچی کے والد محترمؒ، سید عبید اللہ شاہ صاحب لودھراں کی والدہ ماجدہؒ، مولانا سید حامد میاںؒ کے فرزند مولانا وحید میاںؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ مانسہرہ کی والدہ محترمہؒ، مولانا سید سلمانؒ [ناظم: مظاہر العلوم سہارن پور]، حضرت قائد اہل سنتؒ وحضرت جہلمیؒ کے معتمد مولانا حافظ حسین احمدؒ [کوٹلی اللہ یار]، مولانا اسحاق [ڈسکہ] کی والدہ ماجدہؒ، کرنل ارشد ایازؒ، مولانا حبیب اللہ سمونؒ۔

قارئین سے مرحومین کی مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

بہ سلسلہ زبیر علی زئی کا تعاقب

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

علی زئی جواب پر ایک نظر

قسط: ۷

زبیر علی زئی:

بدعقیدہ گروہ کا[۵۱۹] منہج

ان کے نزدیک اصل دلیل قرآن و حدیث نہیں[۵۲۰] بلکہ اپنے مقرر کردہ عالم یا خودساختہ اکابر[۵۲۱] کا قول و عمل حجت و دلیل ہے[۵۲۲]۔ مثلاً:

۱: بیع خیار کے مسئلے پر ایک تقلیدی[۵۲۳] نے کہا:

حق وانصاف یہ ہے کہ اس مسئلے میں شافعی کو ترجیح[۵۲۴] حاصل ہے اور ہم مقلد ہیں[۵۲۵]، ہم پر ہمارے امام ابو حنیفہ کی تقلید واجب ہے[۵۲۶]۔ واللہ اعلم (تقریر ترمذی ص: ۳۶، دوسرا نسخہ: ۳۹)

۲: ایک غالی[۵۲۷] مالکی نے نماز[۵۲۸] میں مطلقاً ہاتھ چھوڑنے کے بارے میں کہا:

''میں امام مالک کا مقلد ہوں دلیل ان سے جا کر پوچھو اگر مجھے دلائل معلوم ہوتے تو تقلید[۵۲۹] کیوں کرتا؟'' (تقریر ترمذی اردو ص: ۳۹۹)

الجواب:

۵۱۹

علی زئی کی طرف سے علمائے اہل سنت دیوبند کو ''بدعقیدہ'' قرار دینا غلط ہے۔ ان کے صحیح العقیدہ ہونے پر ہم پیچھے غیر مقلد لکھاریوں کے متعدد حوالے پیش کر چکے ہیں۔ دیکھئے حاشیہ: ۴۹۳، ۴۹۵۔

اور ساتھ ہی غیر مقلدین کے بدعقیدہ ہونے پر خود ان کے اپنوں کی گواہیاں بھی نقل کر آئے ہیں۔

اور ''توضیح الاحکام: ۱/۸۷'' کے حوالہ سے یہ بھی عرض کر دیا ہے کہ علی زئی پچھلی امتوں میں ''عالم الغیب'' افراد کے پائے جانے کا نظریہ رکھتے ہیں۔

۵۲۰

علی زئی کا علماء اہلِ سنت دیوبند کے بارے میں یہ کہنا: ''ان کے نزدیک اصل دلیل قرآن و حدیث نہیں'' غلط ہے۔ ان کی اس بات کے غلط ہونے پر خود ان کی اپنی عبارت موجود ہے۔ پڑھیے، علی زئی لکھتے ہیں:

’’دیوبند کے نزدیک ادلہ شرعیہ چار ہیں: ۱: قرآن مجید ۲: احادیث (صحیحہ مرفوعہ) ۳: اجماع امت (اجماع مجتہدین) ۴: اجتہاد‘‘ [علمی مقالات: ۶/۴۶۲]

غیر مقلدین کا طرزِ عمل کیا ہے؟ وہ اگرچہ قرآن وحدیث کی حجیت کا دعویٰ کیا کرتے ہیں مگر جب چاہتے ہیں تو قرآن وحدیث کو چھوڑ کر علماء بالفاظ علی زئی خود ساختہ اکابر کی آراء کو اپنا لیتے ہیں جیسا کہ ہماری اسی کتاب میں پیچھے متعدد مقامات میں خود غیر مقلدین کی زبانی متعدد حوالہ جات منقول ہیں۔ دیکھئے حواشی: ۸۷، ۱۲۵، ۵۰۱، ۵۰۷، ۵۰۸ وغیرہ۔

قرآن پاک میں درجن سے زیادہ آیات ہیں جن میں غلط، ناجائز اور بلا دلیل پیروی پر اتباع کا لفظ بولا گیا ہے مثلاً۔

واتبعوا امر کل جبار عنید [سورۃ ھود]

فاتبعوا امر فرعون [سورۃ ھود]

بل اتبع الذین ظلموا اھواء ھم بغیر علم [سورۃ الروم]

ذلک بان الذین کفروا اتبعوا الباطل [سورہ محمد]

فرمان نبوی ہے: لتتبعن سنن من کان قبلکم تم یقیناً پہلے لوگوں کی اتباع کرو گے۔ کہا گیا: یہود ونصاریٰ؟ فرمایا: اور کون ہو سکتا ہے۔ یہ حدیث بخاری: ۳۴۵۶، ۷۳۲۰ ومسلم: ۲۶۶۹ کے حوالے سے مقالات الحدیث: ۱۵۶ پر موجود ہے۔

حدیث میں بھی یہود ونصاریٰ کی پیروی پر ’’اتباع‘‘ کا لفظ ارشاد ہوا۔ صاف ظاہر ہے کہ ان کی پیروی ناجائز وغلط اور بلا دلیل ہے بلکہ حدیث مذکور میں یہود ونصاریٰ کو پیروی کو بطورِ مذمت بیان کیا گیا ہے۔

لیکن علی زئی سمیت غیر مقلدین قرآن وحدیث کے خلاف اپنے خود ساختہ اکابر کی بات مان کر کہتے ہیں کہ اچھی، جائز اور با دلیل پیروی کرنا اتباع جب کہ غلط، ناجائز اور بلا دلیل پیروی کرنا تقلید ہے۔ علی زئی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

’’گزشتہ صفحات پر یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ تقلید اور اتباع واقتداء میں فرق ہے۔ اگر بلا دلیل ہو تو وہ تقلید ہے اور اگر با دلیل ہو تو اقتداء واتباع ہے۔‘‘ [دین میں تقلید کا مسئلہ: ۵۲]

محمد فیاض دامانوی صاحب لکھتے ہیں:

’’انگلینڈ کی اہلِ حدیث مساجد میں رمضان المبارک میں یہ معمول ہے کہ ۱: بعض لوگ امام کے ساتھ تراویح کی نماز ادا کرتے ہیں اور وتر چھوڑ دیتے ہیں۔ ۲: اور بعض لوگ امام کے ساتھ وتر ادا کر کے امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت علیحدہ سے ادا کرتے ہیں۔‘‘ [توضیح الاحکام: ۳/۱۰۳]

توضیح الاحکام کے پیشِ نظر بتایا جائے کہ انگلینڈ کے اہلِ حدیثوں کا ایک رات میں دو بار وتر پڑھنا حدیث کی پیروی ہے یا حدیث کے خلاف خودساختہ اکابر کی؟

علی زئی صاحب انگلینڈ کے اہلِ حدیث کے اس طرزِ عمل کو خلافِ حدیث قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا وتران فی لیلة ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں۔ (سنن ابی داود: ۱۴۳۹، وسندہ صحیح) اس حدیث کے راوی سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ بھی صرف ایک دفعہ وتر پڑھنے کے قائل تھے۔'' [توضیح الاحکام: ۱۰۴/۳]

یہاں یہ بھی جان لیں کہ غیر مقلدین اپنے علماء کو کیا سمجھ کر اور کس منصب پر بٹھا کر اُن کی پیروی کرتے ہیں۔

محمد اسحاق بھٹی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ہمارے ہاں یہ رواج ہو گیا ہے کہ جو عالمِ دین عمرِ پیری کو پہنچ جاتا ہے، ہم اس کے صرف وہ واقعات قلم و زبان پر لاتے ہیں جن کا تعلق ورع و عبادت، تقویٰ و تدیّن اور زہد وللّٰہیت سے ہو، اور پھر اس وقت تک دم نہیں لیتے جب تک اُسے معصومین کی صف میں کھڑا نہیں کر دیتے۔'' [ارمغانِ حنیف: ۲۱۹]

بھٹی صاحب اپنے غیر مقلدین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان حضرات کی بارگاہ پُر عصمت سے ہمیں کیا ملے گا؟'' [ہفت اقلیم: ۲۴۹]

علی زئی صاحب کے ''حجۃ الاسلام، شیخ الاسلام'' محمد گوندلوی صاحب نے غرباء اہلِ حدیث کے متعلق لکھا:

''انہوں نے اپنے امام کو شارع سمجھ لیا ہے۔'' [الاصلاح: ۲۱۹]

عبد القادر حصاروی صاحب غیر مقلد ''غرباء اہلِ حدیث'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ اپنے امام کو مثلِ معصوم سمجھتے ہیں۔'' [اصلی اہل سنت کی پہچان: ۲۱۳]

علی زئی کے استاد محبّ اللہ شاہ راشدی صاحب غیر مقلد نے حالتِ قومہ میں ہاتھ باندھنے والے غیر مقلدین کے بارے میں لکھا:

''اس [اپنے سربراہ (ناقل)] کی بات کو **کَالنَّقْشِ فِی الْحَجَرِ** بلکہ مثل وحی کے تصور کر لیتے ہیں اور آنکھیں بند کر کے تقلید کر لیتے ہیں۔'' [مقالاتِ راشدیہ: ۸۰/۱]

ابو الاشبال شاغف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''آج کل جماعت اہلِ حدیث کی ایک ایسی کھیپ تیار ہو چکی ہے جو کچھ ناصر الدین البانی نے لکھ دیا ان کے نزدیک حرفِ آخر کی حیثیت سے من وعن قبول ہے۔'' [مقالاتِ شاغف: ۲۶۶]

کس قدر افسوس کی بات ہے ائمہ کو دین کا شارح (تشریح کرنے والا) سمجھ کر ان کی تقلید کرنے والوں کے خلاف جو لوگ واویلا کیا کرتے تھے، اب وہ اپنے مولویوں کو شارع و معصوم یا مثل معصوم قرار دے

کر ان کی پیروی میں مست و مگن ہیں!!!

۵۲۱

علی زئی صاحب نے خود "ساختہ اکابر" کے تحت امام ابوحنیفہ اور مالک رحمہما اللہ کے اسمائے گرامی پیش کیے ہیں۔ اس خود ساختہ کا کیا مطلب ہے؟ یہی کہ وہ اکابر نہیں، بس لوگوں نے انہیں زبردستی اکابر بنایا ہوا ہے؟ اگر یہی مراد ہے تو غیر مقلدین اقرار کریں، ہم ان اماموں کے "اکابر" ہونے پر محدثین اور بلکہ آلِ غیر مقلدیت کے بھی پچاسیوں حوالہ جات پیش کریں گے ان شاء اللہ۔ سردست ایک عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

"سنن ابی داود کے مصنف امام ابوداود سجستانی رحمہ اللہ نے فرمایا: مالک (بن انس) پر اللہ رحم کرے وہ امام تھے، شافعی پر اللہ رحم کرے وہ امام تھے، ابوحنیفہ پر اللہ رحم کرے وہ امام تھے۔"

[توضیح الاحکام: ۱/۱۸۸]

اگر خود ساختہ سے مراد کچھ اور ہے تو اس کی وضاحت کریں، اسی کے تناظر میں ہم پرکھیں گے کہ نام نہاد اہلِ حدیث جن اکابر و اسلاف کی پیروی کیا کرتے ہیں وہ خود ساختہ ہیں یا نہیں؟

۵۲۲

علی زئی کے ہاں اقوال الرجال کی حجیت:

غیر مقلدین کہا کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) چونکہ معصوم ہیں، اس لیے ان کی پیروی کرنی چاہیے۔ اور ائمہ کرام سے خطاء ہو سکتی ہے لہٰذا ان کی پیروی نہ کریں۔

[مقالات الحدیث: ۱۱۰]

علی زئی صاحب اوپر متن میں بھی دیوبندیوں کو کوس رہے ہیں کہ وہ اکابر کے اقوال پر عمل پیرا ہیں۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ غیر مقلدین خود سینکڑوں مقامات پر امتیوں کے اقوال و افعال کو قبول کیے ہوئے ہیں۔ اقوال الرجال کی پیروی کرنے والوں میں علی زئی صاحب بھی شامل ہیں۔ ہم اختصار کے پیشِ نظر صرف علی زئی صاحب کی چند عبارتیں قارئین کے سامنے لاتے ہیں۔

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

"قنوتِ نازلہ پر قیاس کر کے قنوتِ وتر میں بھی دعا کی طرح ہاتھ اُٹھانا جائز ہے۔"

[علمی مقالات: ۴/۱۲۶]

یہاں مسئلہ کے جواز پر قرآن و سنت کی بجائے اپنے غیر مقلدین کے سامنے عمل کے لیے قیاس

پیش کر دیا۔ جب کہ وہ یہ بھی لکھتے ہیں:

"رائے وقیاس وغیرہ تو خود گھڑے بنائے اور اجتہاد کئے جاتے ہیں۔ [دین میں تقلید کا مسئلہ: ۶۲]

علی زئی کے نزدیک قیاسی مسئلہ از خود گھڑا اور بنایا جاتا ہے پھر بھی اپنے غیر مقلدین کی ضیافت قیاس سے کررہے ہیں۔ یہاں تو قیاس کا صراحۃً نام لیا ہے ورنہ بہت سے مقامات پر علی زئی نے قیاسی مسئلے بتائے ہیں، مگر لفظ قیاس ذکر نہیں کیا جیسا کہ کچھ نمونے آئندہ مذکور ہوں گے ان شاء اللہ۔

امام نووی کا فرمان نقل کیا گیا:

"عمل صرف صحیح احادیث پر اور (ان کی روشنی میں) علماء کے فتاویٰ پر ہوتا ہے، عوام کے ایجاد کردہ اعمال اور ان کی جہالتوں کا کچھ اعتبار نہیں۔" [مقالات الحدیث: ۵۹]

یہاں احادیث کو قابل عمل کہنے کے ساتھ علماء کے فتاویٰ کو بھی قابل عمل تسلیم کیا ہے۔

علی زئی نے "الحدیث" رسالے کے متعلق لکھا:

"ہمارے رسالے میں راقم الحروف اور حافظ ندیم ظہیر حفظہ اللہ کا متفق ہونا ضروری ہے۔"

[مقالات الحدیث: ۱۱]

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

"اگر پیشاب کے قطرے مسلسل آنے کی بیماری ہے تو مستحاضہ والی حدیث کی رو سے اسے ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا پڑے گا۔" [توضیح الاحکام: ۲۲۹/۱]

علی زئی صاحب نے یہاں پیشاب کے قطرے آنے کے مسئلہ کو استحاضہ کے خون پر قیاس کر کے جواب دیا مگر قیاس کا نام نہیں لیا۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انہوں نے حدیث کی بجائے اپنا قیاس پیش کر دیا۔

ظفر اقبال نامی شخص نے سوال کیا:

"ایک ہی نماز کی دوسری جماعت کروانے کے لیے دوبارہ تکبیر کہنی چاہیے یا پہلی تکبیر کافی ہے؟"

علی زئی صاحب اس سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس مسئلے کی کوئی مرفوع صریح حدیث میرے علم میں نہیں ہے البتہ علماء کرام کے آثار ضرور موجود ہیں...." [توضیح الاحکام: ۲۵۲/۱]

پھر امتیوں کے متضاد اقوال نقل کر کے لکھا:

"معلوم ہوا کہ دونوں طرح جائز ہے۔ اگر فتنے وفساد کا اندیشہ نہ ہو تو دوسری مرتبہ بھی (بغیر لاؤڈ سپیکر کے) اذان واقامت کہنا بہتر ہے۔" [توضیح الاحکام: ۲۵۳/۱]

علی زئی صاحب نے حدیثِ نبوی پیش کرنے کی بجائے امتیوں کے آثار/افعال پر فتویٰ دیا ہے۔
کسی نے سوال کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد کو ختم کر کے اس کی جگہ سکول یا عیدگاہ بنا سکتے ہیں۔
سائل نے آخر میں کہا: ''قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔''
علی زئی صاحب نے اس کا یوں جواب دیا:

''اگر گاؤں کے صحیح العقیدہ بالاتفاق اسے عیدگاہ میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ کی تحقیق میں ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ...اس کے برعکس بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ جہاں مسجد بن جائے اسے قیامت تک تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔'' [توضیح الاحکام: ۱/۲۳۹]

سائل نے قرآن وسنت کا مطالبہ کیا مگر علی زئی صاحب نے علماء کے متضاد فتوے پیش کر چلتے بنے۔
محمد شاہد مبین نے سوال کیا:

''جماعت تیار ہے۔ اگلی صف میں ایک شخص کی گنجائش موجود ہے جب کہ دو شخص باقی ہیں۔ آیا اگلی صف مکمل کر کے ایک شخص پیچھے کھڑا ہو یا اگلی صف کو مکمل کئے بغیر یہ دونوں شخص دوسری صف بندی کریں۔؟''

علی زئی صاحب نے اس سوال کا بس اتنا جواب دیا:

''دونوں طرح جائز ہے، مسئلہ اجتہادی ہے۔'' [توضیح الاحکام: ۱/۲۹۷]

یہاں بھی حدیث پیش کرنے کی بجائے امتیوں کا متضاد اجتہاد سائل کے حوالے کر دیا۔
جب اگلی صف مکمل ہو گئی اور اب آنے والا نمازی کیا کرے؟ علی زئی صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں:

''اگر کوئی شخص ایک امام ومقتدی والے مسئلے کو مدنظر رکھتے ہوئے اگلی صف سے کسی آدمی کو کھینچ لیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔'' [توضیح الاحکام: ۱/۲۹۸]

یہاں بھی علی زئی صاحب نے حدیث ذکر نہیں کی بلکہ ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلہ پر قیاس کیا مگر قیاس کا لفظ استعمال نہیں کیا۔
علی زئی ''اجتہاد'' کو جائز قرار دے کر لکھتے ہیں:

''اجتہاد کی کئی اقسام ہیں، مثلاً: ۱: آثارِ سلف صالحین سے استدلال ۲: صحیح قیاس...''

[توضیح الاحکام: ۲/۲۲]

علی زئی باور کرا رہے ہیں کہ آثار سلف اور قیاس یعنی امتیوں کے اقوال کو بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے۔
آیئے ایک اور قیاسی مسئلہ ملاحظہ فرمایئے۔ علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''قنوتِ نازلہ پر قیاس کر کے قنوتِ وتر میں بھی دعا کی طرح ہاتھ اُٹھانا جائز ہے۔'' [توضیح الاحکام

۹۶/۲:]

اوپر علی زئی کی عبارت گزر چکی ہے کہ قیاسی مسائل از خود گھڑے جاتے ہیں۔

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''اعتکاف کے یہ کئی مسائل میرے علم کے مطابق کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہیں، لہٰذا اس سلسلے میں بعض آثارِ صحیحہ پیشِ خدمت ہیں۔'' [توضیح الاحکام: ۱۵۶/۲]

اس کے بعد علی زئی نے اقوال الرجال پیش کرتے ہوئے درج ذیل چند مسائل لکھے:

''روزے کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا... اعتکاف کرنے والا جمعہ میں حاضر ہو، مریض کی عیادت کرے اور حاکم وقت کی اطاعت کرے ... جنازے میں حاضر ہو... قضائے حاجت کے لیے باہر جائے ...دروازہ پر کھڑا ہو'' [توضیح الاحکام: ۱۵۷/۲]

پھر اس کے برعکس رجال کے چند اقوال لکھے:

''نہ تو جنازہ پڑھے، نہ مریض کی عیادت کرے اور نہ کسی کی دعوت قبول کرے... ان آثار کو دیکھ کر راجح پر عمل کریں۔'' [توضیح الاحکام: ۱۵۷/۲]

مطلب یہاں بھی امتیوں کے متضاد اقوال پیش کیے ہیں۔

سائل نے سوال کیا:

''کیا صدقۂ فطر جنس کے علاوہ رقم کی صورت میں دینا جائز ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔''

علی زئی صاحب نے اس کے جواب میں کتاب وسنت پیش کرنے کی بجائے امتیوں کے اقوال تحریر کر دیئے اور پھر کہا:

''ان آثار کی وجہ سے صدقۂ فطر میں (رقم) روپے وغیرہ دینا جائز ہے۔'' [توضیح الاحکام: ۱۶۵/۲]

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''خلع لینے والی عورت اپنے سابقہ شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے۔'' [توضیح الاحکام: ۱۹۴/۲]

علی زئی نے یہاں دلیل کے طور پر کتاب وسنت کو ذکر نہیں کیا۔ کتاب کا محولہ بالا مقام دیکھ لیا جائے۔ صرف چند امتیوں کے اقوال پہ گزارہ چلایا ہے۔

ایک شخص نے سوال کیا:

''مسلمان عیسائی کو خون دے سکتا ہے اور کیا عیسائی مسلمان کو خون دے سکتا ہے؟''

علی زئی صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

''مسلم کا کافر کو خون دینا یا لینا بغیر کسی مستند عالم دین کے فتوے کے جائز نہیں ہے، لہٰذا شدید ضرورت کے وقت اپنے علاقے کے صحیح العقیدہ عالم دین سے اس کے بارے میں پوچھ لیں۔''
[توضیح الاحکام: ۲/۲۴۴]

علی زئی صاحب یہاں بھی عالم/امتی کے فتوے کو کافی سمجھتے ہوئے لوگوں کو عالم کا دَر دِکھا رہے ہیں۔

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''عامی کا اجتہاد یہ ہے کہ عالم سے جا کر مسئلہ پوچھے اور کہے مجھے قرآن وحدیث سے جواب دیں۔ عالم حسبِ استطاعت ادلہ اربعہ سے جواب دیتا ہے۔'' [توضیح الاحکام: ۲/۵۲۲]

علی زئی نے ایک تو عامی کو مجتہد قرار دیا، دوسرا اسے تاکید کی ہے وہ عالم سے قرآن وحدیث کا مطالبہ کرے مگر عالم ادلہ اربعہ: قرآن وحدیث، اجماع اور قیاس و آثار سے جواب دے سکتا ہے۔ گویا علی زئی صاحب باور کرا رہے ہیں اگرچہ سائل کا مطالبہ قرآن وحدیث کا ہو تو بھی عالم اقوال الرجال سے فتویٰ دے سکتا ہے۔

سوال ہوا کہ ''کیا نماز عید کے بعد ایک دوسرے کو 'تقبل الله منا و منك'' کہنا ثابت ہے؟''

علی زئی نے اس کے جواب میں دو مرفوع روایتیں لکھ کر پہلی کو موضوع اور دوسری کو سخت ضعیف کہا۔ پھر لکھا:

''ان مردود روایات کے بعد اب بعض آثار کی تحقیق درج ذیل ہے۔'' [توضیح الاحکام: ۳/۱۱۹]

اگلے صفحہ پر لکھا:

''ان آثار سے معلوم ہوا کہ عید کے دن ایک دوسرے کو تقبل الله منا و منك کہنا (اور مبارک باد دینا) جائز ہے۔'' [توضیح الاحکام: ۳/۱۲۰]

یہاں بھی علی زئی نے اقوال الرجال کو بنیاد بنا کر فتویٰ دیا ہے۔

کسی نے سوال نے کیا:

''دعائے قنوت کے بعد وتر میں مزید کوئی دعا کی جا سکتی ہے؟''

علی زئی نے جواب دیا:

''قنوتِ نازلہ سے استدلال کرتے ہوئے بعض اوقات دوسری دعائیں مانگنا بھی جائز ہے۔''
[توضیح الاحکام: ۳/۱۲۱]

علی زئی نے یہاں کتاب وسنت کو ذِکر کرنے کی بجائے عام دعاؤں کو قنوت نازلہ پر قیاس کیا کہ جیسے وتر میں قنوت نازلہ پڑھی جاتی ہے، اسی طرح دوسری دعائیں بھی پڑھنا جائز ہیں۔

کسی نے سوال کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی عورت نے سونا وچاندی کی تین چار سال زکوۃ نہیں

دی اب وہ زکوۃ موجودہ ریٹ پر دے یا پچھلوں سالوں کی ان کے ریٹ کے مطابق؟

علی زئی نے اس کے جواب میں لکھا:

''موجودہ سال کی موجودہ ریٹ (سونے چاندی کی قیمت) کے مطابق، سابقہ سالوں کی زکوۃ ان سالوں میں سونے چاندی کے قیمت کے مطابق ادا کرے۔'' [توضیح الاحکام: ۱۵۵/۳]

اس جگہ علی زئی صاحب نے بطور دلیل قرآن وسنت کو پیش کرنا تو کجا اپنے علاوہ کسی امتی کے قول و عمل کو بھی پیش نہیں کیا۔

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''امرك بيدك کے حکم کی رُو سے وہ طلاق کا حق استعمال کر کے ایسے بُرے شوہر سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آدمی اپنی بیوی سے کہے: تیرا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے....'' [توضیح الاحکام: ۱۶۳/۳]

اس کے بعد امتیوں کے مزید اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ حاصل کہ امرك بيدك والے مسئلہ میں علی زئی نے اقوال الرجال پر فتویٰ دیا ہے۔

آفتاب احمد سلفی (دولت نگر) نے سوال کیا:

''اکثر یہ بات سننے اور دیکھنے کا مشاہدہ ہوا ہے کہ اہلِ حدیث حضرات خطبہ جمعۃ المبارک اور اصلاحی پروگرام میں منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کرنے سے پہلے اپنے سامنے بیٹھے لوگوں کو ''السلام علیکم ورحمة الله و بركاته'' کہتے ہیں۔ ہمارا ایک اہلِ حدیث بھائی کہتا ہے کہ خطیب حضرات کو منبر پر کھڑا ہو کر تقریر شروع کرنے سے پہلے ''السلام علیکم ورحمة الله و برکاته'' کہنا بدعت ہے۔''

علی زئی صاحب نے اس کا جواب یوں دیا:

''کسی صحیح حدیث سے یہ بات ثابت نہیں کہ خطیب منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو السلام علیکم کہے۔ ...میرے علم کے مطابق ثقہ تابعی امام عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ثابت ہے کہ وہ جب منبر پر چڑھ جاتے تو لوگوں کو سلام کہتے اور لوگ اُن کا جواب دیتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۱۴ ح ۵۱۹۷ وسندہ حسن) خیر القرون کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ خطبہ سے پہلے خطیب کا لوگوں کو سلام کہنا جائز ہے۔''

[توضیح الاحکام: ۲۷۷/۳]

علی زئی صاحب نے منبر پر سلام کے جواز پر حدیث نبوی پیش نہیں کی، صرف عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ امتی کے عمل کو بنیاد بنا کر فتویٰ دے دیا۔

آفتاب احمد سلفی (دولت نگر) لکھتے ہیں:

’’علماء اہلِ حدیث منبر پر چڑھ کر تقریر شروع کرتے وقت درود ابراہیمی بھی پڑھتے ہیں، او پر والے مسئلہ کو بدعت کہنے والا بھائی نعوذ باللہ علماء کا تقریر شروع کرتے وقت ’’درود ابراہیمی‘‘ پڑھنے کو بھی بدعت کہتا ہے... آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس کا قرآن وسنت کی روشنی میں جلد از جلد جواب ارسال فرمادیں۔‘‘

علی زئی صاحب نے اس کا جواب دیا:

’’خطبے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔‘‘ [توضیح الاحکام: ۲۷۸/۳]

سائل نے قرآن وسنت سے دلیل مانگی مگر علی زئی صاحب نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ امتی کا عمل پیش کر دیا۔

قارئین کرام! فقہی مسائل میں اقوال الرجال پہ فتوی دینے پر علی زئی تحریروں کے کچھ نمونے آپ نے ملاحظہ فرمالیے، اب ہم ایک اور پہلو کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ علی زئی صاحب کے نزدیک امتیوں کے اقوال سے عقائد بھی ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

’’مسائل الایمان وعقائد کا دارومدار چار دلائل پر ہے: ۱: قرآن مجید ۲: احادیثِ صحیحہ صریحہ۔ ۳: ثابت شدہ اجماع امت۔ ۴: آثار سلف صالحین... سلف صالحین سے مراد صحیح العقیدہ، ثقہ وصدوق عند الجمہور علمائے اہلِ سنت ہیں۔‘‘ [توضیح الاحکام: ۳۸/۳]

جب علی زئی کے ہاں اکابر کے اقوال عقائد کے ثبوت پر دلیل بن جاتے ہیں تو انہیں علمائے اہل سنت دیوبند پر طعن کرنے کا کیا حق ہے کہ ان کے ہاں اپنے اکابر کا قول وعمل حجت ودلیل ہے۔

۵۲۳

نام نہاد اہلِ حدیث/ تقلیدی:

[الف] اہلِ حدیث کہلوانے والوں سے تقلید کے ثبوت پر ہم ذیل میں کچھ حوالے نقل کرتے ہیں تاکہ تقلید کے مخالف انہیں بھی ’’تقلیدی‘‘ اور ’’آل تقلید‘‘ کہا کریں۔

احمد شاکر غیر مقلد نے عبدالرحمٰن مبارک پوری کے متعلق لکھا:

’’انما خرج ما خرج من الاحادیث مقلدا لغیرہ ایضا من اصحاب الکتب المجامع و المخرجات کالمنتقی للمجد ابن تیمیة و شرحه نیل الاوطار للشوکانی والتلخیص والفتح للحافظ ابن حجر‘‘ [شرح ترمذی: ۶۶/۱ بحوالہ غیر مقلدین کا صحیح احادیث سے انحراف: ۲۲]

اس عبارت میں ’’مقلدا لغیرہ‘‘ پر نگاہ رہے کہ مبارک پوری صاحب نے احادیث کی تخریج میں اپنے غیر کی تقلید کو اختیار کیا ہے یعنی ابن تیمیہ، شوکانی اور حافظ ابن حجر وغیرہم کی تقلید کی ہے۔

عبدالرشید عراقی غیر مقلد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

’’ان برگزیدہ بناتِ طیبات، صالحات و قانتات شہزادیوں کا بچپن، جوانی، شادی، خانہ داری، عبادت، ریاضت زہد و قناعت، جود وسخا، جذبۂ خدمتِ خلق، تربیتِ اولاد، اعزہ و اقرباء کے ساتھ حسنِ معاشرت غرض ہر مرحلہ حیات کے لیے ان کی مقدس زندگیاں قابلِ تقلید اور لائقِ صد تحسین ہیں۔‘‘

[مطبوعات القاسم اکیڈمی نمبر: ۴۴۲]

علامہ احمد بن حجر کی کتاب ’’سبیل الجنة‘‘ کا ترجمہ عبد السلام سلفی نے کیا ہے۔ اس کتاب میں ائمہ اربعہ کے متعلق لکھا ہے:

’’انہوں نے شریعت مطہرہ کی زبردست خدمت کی۔ اللہ کے عائد کردہ فرائض بے کم و کاست انجام دیئے۔ وہ لوگ زہد و تقویٰ، علم و عمل اور ایمان و اخلاص میں قابلِ تقلید نمونہ تھے۔ مسلمانوں کی اکثریت ان کی مداح اور ان کی محبت اور عظمت پر متفق ہے۔‘‘ [سبیل الجنة بحوالہ اسلاف اہل حدیث کی رواداری: ۶۸]

’’قابلِ تقلید نمونہ تھے‘‘ جملہ کی خاطر ہم نے مذکورہ عبارت نقل کی ہے۔

عبد الرؤوف رحمانی جھنڈانگری غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’امانت و دیانت کی چند قابلِ تقلید مثالیں۔‘‘ [ایامِ خلافتِ راشدہ: ۶۱]

اس عنوان کے تحت سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے واقعات نقل کئے ہیں۔

عبد الرحمان عثمانی غیر مقلد نے فرضوں کے بعد اجتماعی دعا کے متعلق ایک کتاب لکھی۔ اس میں قائلینِ دعا کی ترجمانی ’’اثبات‘‘ اور منکرین کی آراء کو ’’انکار‘‘ کا عنوان دے کر لکھا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

’’اس میں انکار سے مراد وہ اہل ظاہر ہیں جو لکیر کے فقیر ہیں۔‘‘

[فرض نماز کے بعد دعا کی اہمیت: ۳۱]

اجتماعی دعا کے منکرین کو صفحہ ۴۶ پر بھی انہوں نے لکیر کا فقیر کہا ہے۔ یاد رہے کہ اجتماعی دعا کے منکرین میں علی زئی صاحب بھی شامل ہیں۔

غیر مقلدین بتائیں کہ ان کے ہاں لکیر کا فقیر مقلد کہلاتا ہے یا غیر مقلد؟

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

’’خلاصہ یہ کہ طلوع فجر کے بعد صبح کی اذان اول میں ’’الصلوۃ خیر من النوم‘‘ کے الفاظ کہنے چاہییں۔ طلوع فجر سے پہلے، تہجد والی اذان میں یہ الفاظ قطعاً ثابت نہیں... شیخ ثناء اللہ مدنی، شیخ محمد منیر قمر سیالکوٹی اور حافظ عبد الرؤف سندھو حفظہم اللہ نے اس مسئلے میں (شاید) بغیر تحقیق کے شیخ البانی حفظہ اللہ (رحمہ اللہ) کی پیروی کی ہے۔‘‘ [توضیح الاحکام: ۱/۲۴۸]

مدنی، سیالکوٹی اور سندھو غیر مقلدین کا بغیر تحقیق کے البانی کی پیروی کرنا تقلید کہلائے گا یا نہیں؟

جواب دیتے وقت علی زئی کی درج ذیل عبارت سامنے رہے:

”تحقیق اور تقلید ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں۔“ [دین میں تقلید کا مسئلہ: ۴۷]

علی زئی نے لکھا:

”راقم الحروف نے سنن نسائی کی تحقیق میں حاکم وذہبی کی توثیق پر اعتماد کرتے ہوئے اس روایت کو حسن لکھا تھا اور اب اس سے اعلانِ رجوع ہے۔“ [فضائلِ جہاد: ۱۰۹]

حاکم وذہبی پر اعتماد کر کے ان کی بات قبول کرنا غیر مقلدین کے ہاں تقلید کا نام پائے گا یا کچھ اور؟ ساتھ ہی علی زئی صاحب کی مذکورہ عبارت کی طرف بھی ذہن رہے کہ ان کے نزدیک تحقیق اور تقلید دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

”چونکہ روایت کا یہ حصہ... بریلویوں کے مذہب کے خلاف ہے لہٰذا وہ یہودیوں کی تقلید کرتے ہوئے اسے چھپا لیتے ہیں۔“ [توضیح الاحکام: ۱/۴۲۱]

علی زئی صاحب نے مذکورہ عبارت کے بعد صرف چند سطروں کے فاصلہ پر بخاری کے حوالہ سے حدیث لکھی:

”مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو۔“ [توضیح الاحکام: ۱/۴۲۱]

جس طرزِ عمل کو علی زئی نے تقلیدِ یہود کہا اسی کو اپناتے ہوئے حدیث کا یہ جملہ ” کراهية ان يتخذها الناس سنة “ چھپا لیا۔ صحابی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند سمجھا کہ لوگ مغرب سے پہلے کی دو رکعتوں کو سنت بنالیں گے۔ [صحیح بخاری: ۱/۱۵۷، تیسیر الباری: ۲/۱۹۱]

یاد رہے کہ غیر مقلدین ان دو رکعتوں کو سنت سمجھتے ہیں جیسا کہ ان کی کتابوں میں مذکور ہے۔

[فتاویٰ علمائے حدیث: ۴/۲۳۲، ۲۳۵]

علی زئی صاحب نے [دین میں تقلید کا مسئلہ: ۴۰] میں حافظ ابن تیمیہ کی عبارت نقل کی مگر اس کا پہلا حصہ چھپا لیا جس میں انہوں نے تقلید کو جائز قرار دیا۔ دیکھئے ہماری اسی کتاب کا حاشیہ: ۹

حاصل یہ کہ علی زئی صاحب نے عبارت کا کچھ حصہ چھپا لینے کو تقلید یہود کہا اور پھر خود ہی اس کے مرتکب ہوئے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ علی زئی چُھپ چُھپ کر تقلید کیا کرتے تھے، اگر کسی غیر مقلد کو ہمارے اس دعویٰ سے اختلاف ہے تو وہ کسی ماہ نامہ یا کتاب میں چیلنج کر کے ہم سے اس کا ثبوت طلب کر سکتا ہے۔ سردست کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد کی تصدیق ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”یہاں پر زبیر علی زئی صاحب نے امام ابن الصلاح رحمہ اللہ کو تقلیدی کہا ہے جب کہ بعض

مقامات پر خود موصوف نے امام ابن الصلاح رحمہ اللہ کی اندھی تقلید کی ہے۔''

[حدیث یزید محدثین کی نظر میں: ۷]

اہلِ حدیث کہلوانے والوں سے تقلید کے ثبوت پر مزید حوالہ جات کے لیے ہماری اسی کتاب کے حواشی: ۱۱، ۱۲، ۴۵، ۵۹، ۶۹، ۷۸، ۱۲۴، ۴۹۷، ۵۰۸ وغیرہ دیکھئے۔

[ب]......علی زئی صاحب ''تقلیدی'' کہہ کر تقریر ترمذی کا حوالہ دے رہے ہیں۔ تقریر ترمذی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا مقام ملاحظہ فرمالیں۔

عبدالرشید عراقی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا ثناء اللہ نے خود ایک شعر میں کہا (جو مجھے اب یاد نہیں) کہ میں جب وہاں شیخ الہند کے درس میں سوال کرتا تھا تو طلباء ناراض ہوتے تھے کہ اہلِ حدیث ہے، مگر شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ میرے تمام شکوک وشبہات کے جواب دے کر میری تشفی فرماتے۔'' [مطبوعات القاسم اکیڈمی نمبر: ۴۱]

عراقی صاحب لکھتے ہیں:

''دارالعلوم دیوبند نے ہر دَور میں بڑے قیمتی لعل و گوہر انسان پیدا کئے۔ جن کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات سے ایک دنیا پُر نور رہی، جہاں گئے اپنے اخلاص اور پُر جوش عمل سے چھا گئے۔ مثلاً: شیخ الحدیث مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا....'' [مطبوعات القاسم اکیڈمی نمبر: ۲۴۹]

عراقی صاحب لکھتے ہیں:

''شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی علمی، دینی، مذہبی اور سیاسی خدمات بہت زیادہ ہیں اور جس شخص کو برصغیر کی سیاسی تحریکات پر عبور حاصل ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہوگا کہ حضرت شیخ الہندؒ کی دینی، علمی اور سیاسی خدمات کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔'' [مطبوعات القاسم اکیڈمی نمبر: ۲۵۱]

عراقی صاحب لکھتے ہیں:

''علمائے دیوبند میں کچھ ایسی نامور ہستیاں گزری ہیں، جن کی علمی و دینی، تحقیقی وقومی وملی اور سیاسی خدمات کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، اور ایسے حضرات کی خدماتِ عالیہ پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، مثلاً: شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اسیر مالٹا'' [مطبوعات القاسم اکیڈمی نمبر: ۳۱۱]

ایک صاحب نے ثناء اللہ امرتسری کے حالات میں لکھا:

''آپ نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ (اسیر مالٹا) سے علوم عقلیہ ونقلیہ اور فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی۔'' [اربعین ثنائی: ۱۲]

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی مدح وسرائی پر مشتمل غیر مقلدین کچھ حوالے حاشیہ: ۳۹ میں بھی مذکور ہیں ۔مزید عرض ہے کہ غلام رسول مہر غیر مقلد نے مستقل مضمون لکھا جس کا عنوان ''شیخ الہند کی تحریک آزادی'' ہے۔ یہ مضمون ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری کی مرتب کردہ کتاب ''بزرگان دیو بند اور جہاد شاملی'' کے صفحہ ۲۱۵ سے ۲۲۶ تک پھیلا ہوا ہے۔

۵۲۴

حاشیہ: ۱۳۲/ر میں تقریر ترمذی والی اس عبارت کا ہم تفصیل سے جواب دے چکے ہیں۔ غیر مقلدین دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ تقریر ترمذی والے کو اعتراف ہے کہ از روئے حدیث موقف امام شافعی رحمہ اللہ کا حق ہے مگر ہم چونکہ اپنے امام کے مقلد ہیں اس لیے ہم تو ان کی تقلید کریں گے۔حالانکہ ایسی بات نہیں خود تقریر ترمذی میں موجود عبارت اس کی نفی کر رہی ہے وہاں الفاظ ہیں:

''ترجیح کی صراحت حدیث نہیں کرتی بلکہ ترجیح دینے والا قیاس ہے۔پس ہم حدیث کی مخالفت کے مرتکب نہیں ہو رہے بلکہ ہم تو شافعی کے قیاس کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کا قیاس ہم پر حجت نہیں۔''

[تقریر ترمذی: ۵۳]

تقریر ترمذی کی جس عبارت کو علی زئی نے نقل کیا، اسے ڈاکٹر شفیق الرحمٰن غیر مقلد نے بھی یہی باور کرانے کے لیے درج کیا کہ تقریر ترمذی والے حدیث کے خلاف تقلید پر جمود کا اعلان کر رہے ہیں۔

[منہج اہلِ سنت کا تعامل]

ڈاکٹر صاحب کو مولانا محمد طلحہ صاحب (بنوں) نے کال کر کے تقریر ترمذی کی عبارت سنائی کہ تقریر ترمذی والے خود فرما رہے ہیں کہ ہم کسی حدیث کی مخالفت نہیں کر رہے...الخ۔ڈاکٹر صاحب نے کہا اگر تقریر ترمذی میں یہ عبارت واقعۃً موجود ہے تو یقیناً حدیث کے خلاف تقلید کا اعلان نہیں۔ میں اگلے ایڈیشن میں اس حوالہ کو حذف کر دوں گا۔ یہ گفتگو ریکارڈنگ کی صورت میں محفوظ ہے۔

بندہ نے ایک بیان سنا جس میں بیان کرنے والا اپنے آپ کو''اہلِ حدیث'' ظاہر کر رہا ہے۔جس نے مجھے یہ بیان بھیجا اس سے میں نے پوچھا کہ بیان کرنے والے کا نام کیا ہے اس نے کہا: یہ''غلام مصطفیٰ ظہیر'' ہے۔ان کے بیان کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''میں تو حافظ صاحب! یہاں تک کہتا ہوں اگر مجھے کوئی قرآن مقدس کی ایک ہزار آیات بینات پیش کرے اور وہ اپنے مطلب میں بالکل واضح ہوں یعنی وہ مسئلہ ان سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہو مگر سلف صالحین نے وہ مسئلہ اس سے ثابت نہ کیا ہو یا اس کے خلاف مسئلہ ثابت کیا ہو تو میں یہ سمجھوں گا کہ قرآن تو حق ہے لیکن میرا فہم صحیح نہیں، فہم محدثین یا ائمہ دین کا صحیح ہے۔ یہ اک بنیادی خصوصیت ہے مسلک اہلِ حدیث کی،

امتیازی حیثیت سے ایک بات ہے اہلِ حدیث مسلک کی کہ یہ اپنی طرف سے قرآن وسنت کے مفاہیم بیان نہیں کرتے۔‘‘

جو چاہے ظہیر صاحب کا یہ بیان مجھ سے بذریعہ واٹس ایپ منگوا کر خود ہی سن سکتا ہے۔

ظہیر صاحب نے اپنے اس بیان میں جو کچھ کہا اسے مسلک اہل حدیث کی امتیازی خوبی کے طور پر پیش کیا ہے۔ غیر مقلدین ان کے بارے میں یہ کہنے کی ہمت کریں گے کہ ان کے نزدیک اصل دلیل قرآن و حدیث نہیں بلکہ سلف صالحین ہیں؟

۵۲۵

تقریر ترمذی والے کی طرف سے یہ کہنا: ’’ہم مقلد ہیں‘‘ یہ کوئی اوپری بات نہیں۔ بڑے بڑے نامی گرامی علماء کرام جن کا غیر مقلدین کے ہاں بھی بہت اونچا مقام ہے اپنے مقلد ہونے کا اعتراف کرتے چلے آئے ہیں۔ دیکھئے حاشیہ: ۳۵

آگے حاشیہ: ۵۲۶ میں آ رہا ہے کہ محمد حسین بٹالوی نے کہا ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور فقہ حنفی کی تقلید کیا کرتے ہیں اس لیے ہمیں اہلِ حدیث حنفی کہا جائے۔

۵۲۶

تقریر ترمذی میں ہے کہ: ’’ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے۔‘‘ عرض ہے تقلید کا وجوب تو اہلِ حدیث کہلوانے والے بھی لکھ چکے ہیں جیسا کہ ہم حاشیہ: ۱۰۱ میں غیر مقلدین کی کتابوں کے دس حوالے تقلید کے وجوب پر نقل کر آئے ہیں۔

باقی رہا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرنا، یہ بھی اہلِ حدیث کہلوانے والوں کا معمول رہا۔ شواہد حاضر ہیں۔

علی زئی صاحب کے استاد گرامی اور ان کے شیخ الاسلام محمد گوندلوی لکھتے ہیں:

’’اہلِ حدیث، حنفیہ کی طرف بہ نسبت شافعیہ کے زیادہ مائل ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی درس گاہوں میں فقہ حنفی موجود ہے۔ مولانا مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی اپنے آپ کو حنفی اہلِ حدیث کہلایا کرتے تھے۔ میاں صاحب سید نذیر حسین مرحوم کے فتاویٰ کا اکثر حصہ فقہ حنفی کی کتب سے ماخوذ ہے۔‘‘

[الاصلاح: ۱۵۴]

سلطان محمود جلال پوری غیر مقلد کہتے ہیں:

’’امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اجتہادات کا ایک بڑا حصہ برصغیر کے عاملین بالحدیث نے قبول کر رکھا ہے۔‘‘ [مولانا سلطان محمود محدث جلالپوری: ۲۸]

یاد رہے کہ غیر مقلدین کے ہاں ''عاملین بالحدیث'' سے مراد غیر مقلد ہوا کرتے ہیں۔

داؤد ارشد صاحب غیر مقلد نے لکھا:

''ہم امام (ابو حنیفہ) صاحب کو مسلمان، پرہیز گار، متقی، اللہ کو یاد کرنے والا، قرآن کا خادم، حدیثِ رسول کا فدائی، اسلام کا محسن، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام تصوّر کرتے ہیں اور ان کے بعض اجتہادات کو دیگر ائمّہ کی بنسبت ترجیح دیتے ہیں۔'' [دین الحق: ۱/۵۱۷]

وکیل اہل حدیث کہلائے جانے والے مصنف محمد حسین بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

''شیخنا شیخ الکل حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین، جن کا تمام عمر یہی عمل رہا جو اس خاکسار کا عمل ہے میاں صاحب کے بہت سے شاگرد اور ان کے دیکھنے والے زندہ ہیں وہ ایمانی شہادت دے سکتے ہیں کہ منصوصات میں ان کا عمل قرآن حدیث پر تھا اور غیر منصوصہ مسائل میں کتبِ فقہ: ہدایہ، عالمگیری وغیرہ پر عمل اور فتویٰ تھا۔'' [اشاعۃ السنہ ۲۳/۱۷]

بٹالوی صاحب مذہب اہلِ حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جہاں نصوص نہ ملے وہاں صحابہ، تابعین وائمہ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں خصوصاً مذہبِ حنفی کی جن کے اصول وفروع کی کتب ہم لوگوں کے مطالعہ میں رہتی ہیں اگر ہم کو عام مسلمانانِ اہل سنت سے ممتاز کر کے کوئی خصوصیت کے ساتھ خطاب دینا ہے تو اہلِ حدیث کا خطاب دیا جاوے۔ اس سے بھی زیادہ خصوصیت کرنی ہو تو اہلِ حدیث حنفی کہا جائے۔'' [اشاعۃ السنہ ۲۳/۲۹۰]

مزید حوالہ جات بندہ کے رسالہ ''غیر مقلد ہو کر تقلید کیوں میں؟'' دیکھ سکتے ہیں۔

ص۵۲۷

یہاں علی زئی صاحب نے ''غالی مالکی'' کہا جب کہ دوسرے مقام میں لکھا کہ ''غالی'' کا لفظ گالی ہے۔ حوالہ پہلے ایک جگہ ہم نقل کر آئے ہیں۔

ص۵۲۸

علی زئی صاحب ''بد عقیدہ گروہ کا منہج'' عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''ان کے نزدیک اصل دلیل قرآن وحدیث نہیں بلکہ اپنے مقرر کردہ عالم یا خود ساختہ اکابر کا قول و عمل حجت و دلیل ہے۔ مثلاً: ...ایک غالی مالکی نے نماز میں مطلقاً ہاتھ چھوڑنے کے بارے میں کہا: ''میں امام مالک کا مقلد ہوں دلیل ان سے جا کر پوچھو اگر مجھے دلائل معلوم ہوتے تو تقلید کیوں کرتا؟''

پہلی بات یہ ہے کہ رئیس محمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مالکی و شافعی و حنبلی مجموعی اعتبار سے اہل حدیث ہیں، جیسا کہ اپنی کتاب ''ضمیر کا بحران'' کے

اوائل میں ہم نے معتبر حوالوں سے واضح کیا ہے۔'' [سلفی تحقیقی جائزہ:۸۲]

دوسری بات علی زئی صاحب کا طرزِ عمل ملاحظہ فرمائیں۔ جب میاں نذیر حسین دہلوی اوران کے شاگردوں کے بارے میں پروفیسر عبداللہ بہاول پوری غیر مقلد کا یہ بیان نقل کیا گیا:

''سب تصوف کے قائل ہیں، کوئی وحدت الوجود کا شکار ہے، کوئی وحدت الشہود کا شکار ہے۔''

[خطبات بہاول پوری:۲۳۶/۱ خطبہ نمبر:۱۳]

تواِس کے جواب میں علی زئی نے کہا کہ سند منقطع ہے۔[علمی مقالات:۵۶/۵]

یہاں سند تو کجا سرے سے اس مالکی کی کوئی شناخت نہیں، بلکہ گم نام ہے مگر اس حوالہ کو نقل کرنا چونکہ علی زئی صاحب نے اپنے حق میں مفید سمجھا اس لئے اس بے سند حوالہ سے مجہول الاسم و مجہول الحال کسی مالکی کے قول کو اپنی غرض کی خاطر تحریر کردیا۔

۵۲۹

علی زئی کا اصول ہے جب تک مصنف سے اپنی کتاب پر نظر ثانی ثابت نہ ہوتب تک وہ کتاب کا ذمہ دار نہیں۔[علمی مقالات:۴۶۳/۶] دیکھئے حاشیہ:۱۳۲۔اس لیے انہیں چاہیے تھا کہ اپنے اصول کے مطابق تقریر ترمذی کے مقرر سے نظر ثانی ثابت کرتے یا پھر حوالے نہ دیتے۔

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:''عامی سے مراد جاہلِ محض (ہے) جو نصوص و احادیث کا معنیٰ اور تاویل نہیں جانتا۔''[دین میں تقلید کا مسئلہ:۴۵]

جب علی زئی صاحب کے اعتراف کے مطابق عامی کو دلائل معلوم نہیں ہوتے ،اگر کوئی عامی یوں کہہ دے کہ میں دلائل نہیں جانتا تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔مجہول مالکی نے کہا

''اگر مجھے دلائل معلوم ہوتے تو تقلید کیوں کرتا؟'' مطلب یہ ہے کہ چونکہ مجھے دلائل معلوم نہیں اس لیے میں نے تقلید کی ہے۔ دلائل سے لاعلمی کی صورت میں تو غیر مقلدین بھی تقلید کا جواز بلکہ وجوب مانتے ہیں۔[معیار الحق:۱۵۷،**لقطة العجلان**:۱۳۷،ہدیۃ المہدی:۱۱۰/۱،تاریخ اہلِ حدیث:۱۴۷]

علی زئی کے استاد محمد گوندلوی لکھتے ہیں:

''جب مکلّف خود مسئلہ کی تحقیق نہ کرسکے اور اس کو تفصیل معلوم نہ ہو تو اس صورت میں بعض دفعہ تقلید جائز اور بعض دفعہ واجب ہوجاتی ہے۔''[الاصلاح:۱۵۸]

علی زئی کے دادا استاد ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

''یہ بات تو طے ہوچکی ہے کہ بے علم کو عالم کی تقلید ضرور چاہیے۔''[تقلید شخصی:۲۰]

مزید دیکھئے حاشیہ:۱۰۱ (جاری ہے۔۔۔)

غامدیت کے فکری شعلوں کو سرد کرنے والی

ایک اہم کتاب پر ’’مخلصانہ تبصرہ‘‘

حال ہی میں ایک تازہ کتاب شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے جو امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے فرزند اور قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے فرزند نسبتی حضرت مولانا عبد الحق خان بشیر صاحب کی تصنیف ہے۔ اور اس کا نام ’’حق پرست علماء کی غامدی صاحب سے ناراضگی کے اسباب‘‘ ہے۔

متذکرہ کتاب ہزار جلوہ طرازیوں کے ساتھ منصۂ شہود پر آئی ہے اور انصاف کی بات یہ ہے کہ غامدیت جیسے کرب انگیز فتنے کو سمجھانے اور ان کے افکار کی گتھیاں سلجھانے میں حق وحقیقت کے صاف ستھرے نقوش فراہم کرنے میں دور حاضر کی ایک بہترین علمی و تحقیقی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عام فہم کتاب ثابت ہوئی ہے۔ ہم نے اول تا آخر اسے پڑھنے کے بعد اس کے تمام تر مثبت پہلوؤں سے اتفاق اور اکا دُکا مقامات پر دل و دماغ میں کلبلائے منفی عکس کو جوں کا توں اپنے اس تبصرہ میں پیش کر دیا ہے۔

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ اس کا موضوع جناب جاوید احمد غامدی کے نظریات کا علمی جائزہ ہے، گذشتہ پندرہ سالوں میں اس عنوان پر جتنی بھی کتابیں مختلف حلقوں کی جانب سے آئی ہیں اس میں سے زیر تبصرہ کتاب اس لیے لائق احتشام ہے کہ یہ علماء وطلبہ اور خواص وعوام کے لیے یکساں مفید ہے۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ یہ ملکہ عطا کیا تھا کہ وہ حریف کے اعتراضات و دلائل کو نہایت آسان اسلوب میں پیش کر کے پھر اس سے کہیں زیادہ آسان جوابات رقم کر کے نہایت سہولت و قرینے کی ساتھ مقصودی منزل تک پہنچا دیتے تھے۔ اور بلا شبہ اُن کا یہ وصف مصنف کتابِ ہٰذا حضرت مولانا عبد الحق خان بشیر صاحب میں منتقل ہوا ہے کہ جنھوں نے اپنی بے شمار تحریروں میں فرقہائے باطلہ کی کدورتوں کے غبار کو اس خوبصورتی کے ساتھ رفع کیا ہے کہ ان کی خود فریبیوں کی تمام تر داستانیں طشت از بام ہو کر رہ گئیں۔

متحدہ برصغیر میں انکار حدیث کی پہلی اور کھلی آواز سر سید احمد خان صاحب کی جانب سے اٹھی تھی وہ دل کے کھرے اور دماغ کے کھوٹے تھے یا اسکے برعکس؟ یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ کیونکہ سر سید صاحب کے شخصی وفکری پہلوؤں پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، اس لیے تمام تر زاویوں کو پرکھنے کے بعد بھی ایک غیر جانبدار

انسان بہر حال اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان کے توہمات وسادگی پر جب متفکرانہ سوچ اور کثرت مطالعہ کی ملمع سازی ہوئی تو ان کی ذات اس قدر متلون بن گئی تھی کہ ان کا تلون طبع بذات خود ایک عنوان ٹھہرا۔ تاہم یہ کھرا سچ ہے کہ حجیت حدیث کو اُردو دان طبقہ میں سب سے پہلے اُنھیں نے متنازعہ بنانے کی ناتمام کوشش کی تھی، پھر سر سید کی اس فکر کو عیاں اور حشر بداماں کرنے والے قاضی غلام نبی المعروف مولوی عبداللہ چکڑالوی تھے جن کا مفصل (خاندانی، تعلیمی اور فکری) تعارف بندہ نے اپنی مطبوعہ کتاب ''عبداللہ چکڑالوی اور فتنہ انکار حدیث'' میں پیش کر دیا ہے۔ اس کے بعد چکڑالوی صاحب کے چند شاگردوں نے اُن کے بُنے ہوئے جالوں میں سادہ لوح لوگوں کو پھنسانے کی عمل جاری رکھا، مگر علماء کرام کی انتھک اور بے لوث محنتوں کی وجہ سے چکڑالوی آشیانہ تنکے تنکے ہو گیا۔ البتہ اس میں رکھے ہوئے چند ایک انڈے محفوظ رہ گئے تھے تو آنے والے وقتوں میں وہ انڈے جناب غلام احمد پرویز کی فکری ونظری گرمائش سے ایک انوکھی جنس پیدا کر گئے، اسی انوکھی جنس کا ایک کردار ''جاوید احمد غامدی'' ہیں۔

غامدی صاحب کو جہاں تک ہم نے پڑھا رپرکھا ہے، ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ چند آوارہ بے قراریوں کا اگر شیرازہ مرتب کیا جائے تو ''غامدی نظریہ'' بن جاتا ہے، اور اگر اس شیرازہ کو بکھیر دیا جائے تو اس بارود کے ذرات مولانا امین احسن اصلاحی، حمید الدین فراہی، سید ابوالاعلی مودودی، اور عبدالسلام نیازی کے نظریات میں جا کر تحلیل ہو جاتے ہیں، ان سے آگے غامدیت کی رسائی نہیں ہے۔ گویا انہیں متذکرہ چند شخصیات سے آمدہ خیالات کی آمیزش کا نام ''غامدیت'' ہے۔

اَب تک جاوید احمد غامدی کے ناقص خیالات فقط علماء کرام کی معلومات میں تھے اور بعض اہل علم نے اپنی کتابوں میں جو اس کی تردید لکھی ہے تو وہ اس قدر گنجلک، پیچیدہ اور ابہامات ومشکل مقامات سے گذرتی ہے کہ عوام تو عوام رہے اکثر علماء کرام ہی کو انگشت بدنداں دیکھا گیا ہے اور یہ کہتے سنا گیا ہے کہ غامدی صاحب اور ان کے رفقاء وحلقہ فکر کے ساتھ ہمارے اختلافات کے اسباب کیا ہیں؟ کیونکہ ایک مدت سے پریت چلی آرہی ہے کہ ہمیں فقط ''مخالفت'' کا علم ہوتا ہے کہ فلاں سے چونکہ مخالفت جاری ہے تو ہمارا حصہ بھی اس میں شامل رہنا چاہئے۔ مخالفت کے اَسباب، نظریات کی تفصیل، حریف کے دلائل کا محاکمہ، استدلال واستنباط کی کیفیت اور ان کے لب ولہجے سے کوئی غرض وتعلق ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ ماضی قریب کی ایک داستان کے نقوش تاحال علمی دنیا میں موجود ہیں کہ غلام جیلانی برق مرحوم نے جب اپنی کتاب ''دو اِسلام'' لکھی تھی تو اس کی مخالفت میں ہر جانب سے ''ہت تیرے کی'' پر جوش آوازیں بلند ہوئی تھیں، مگر برق صاحب ہر مخالفانہ منصوبے میں نئی تازگی وولولہ کے ساتھ تیشۂ قلم اٹھا کر میدان میں اتر آتے اور پہلے سے کہیں

بڑھ کر فتنہ والحاد کے کانٹے بکھیر دیتے، تا آنکہ شیخ الحدیث امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے برق صاحب کے جواب میں ''صرف ایک اسلام'' نامی کتاب شائع کی تو یہی ایک کتاب ان کی ہدایت کا ذریعہ بن گئی اور انہوں نے حضرت شیخ الحدیثؒ کے نام اپنے پہلے مکتوب میں اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ آپ کے دعوتی وادیبانہ طرز تحریر نے مجھے متاثر کیا۔

زیر تبصرہ کتاب میں بھی یہ خوبی موجود ہے کہ اس میں بالترتیب جاوید احمد غامدی صاحب کے نظریات اور نظریات پر دیئے گئے دلائل کو بلاکم وکاست پوری دیانت داری کے ساتھ زیب قرطاس کیا گیا ہے۔ پھر قرآن مجید، احادیث رسول، احادیث کی سندی حیثیت، فقہاء کرام کی مبسوط عبارات، ان عبارات پروارد شدہ اعتراضات کا جائزہ نیز غامدی صاحب کے منابع ومصادر اور مراجع سے تقابل کر کے کسی قدر، بلکہ بھرپور انداز میں اُن کی علمی خیانتوں کا پردہ چاک کر دیا گیا ہے۔

پونے چار سو صفحات پر مشتمل اس کتاب کو تین فصلوں میں منقسم کیا گیا ہے: پہلی فصل میں غامدی صاحب کے امت مسلمہ سے پندرہ اُصولی اختلافات اور اُن پر جاندار علمی جوابات وتبصرہ جات اِس انداز میں پیش کیے گئے ہیں کہ مصنف کی ذکاوت وغزارتِ علمی کی داد دینا پڑتی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ کوئی بھی ایسا قاری جو حقائق کا متلاشی ہو اور محلِ اختلاف کو سمجھنا چاہتا ہو، اِس کتاب کو پڑھ کر اُس کے جنون تجسس کی تسکین ہو جائے گی۔ پندرہ اختلافات اور ان کے تشفی بخش جوابات کا مطالعہ کرنے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ غامدی صاحب کی کسکیں لفظوں میں ڈھلتی جا رہی ہیں اور سچ کی خوشبوئیں قاری کے دل ودماغ کو معطر کرتی جا رہی ہیں۔

فصل دوم میں جناب مولانا عمار خان ناصر صاحب کے ساتھ آٹھ اختلافات کی نوعیت اور ان کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ جبکہ تیسری اور آخری فصل میں حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب کے ساتھ سات عدد اختلافات اور ان کے اسباب ووجوہات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

کس قدر عبرتناک اور مقام افسوس ہے کہ حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب اور ان کے فرزند مولانا عمار خان ناصر کا ذکر وتذکرہ آج مولانا امین احسن اصلاحی اور جاوید احمد غامدی وغیرہ قبیل کے لوگوں کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ حضرات اپنے باپ دادا کے ساتھ ہی سجتے ہیں اور ان کے قد وقامت کی زیبائی مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کی عالی نسبت سے ہی قائم ہے۔ خدا جانے ہمارے اُفقِ انتظار پر مایوسیوں کے گہرے سائے کب تک رقص کناں رہیں گے؟ کب ان حضرات کی اپنے بزرگوں کی دہلیز پر واپسی ہوگی؟ اور کب ان کی واپسی دیوبند مکتب فکر کے لیے نوید سحر اور پیغام مسرت ثابت ہوگی؟

اس کتاب میں مصنف کے قلم سے علمی جمال ٹپکتا ہے کیونکہ وہ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

کی اولاد ہیں اور اس کتاب میں مصنف کے لب و لہجے سے فتنوں کا قلع قمع کرنے کی دھاڑ اور قیامت خیز جلال بھی نظر آتا ہے کیونکہ وہ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے فرزند نسبتی ہیں، تو اِن دو عظیم نسبتوں نے مصنف کی اس محنت کو بھی دو آتشہ کر دیا ہے۔

البتہ اِس کتاب میں کہیں کہیں بہت تلخ و سخت جملے بھی ہیں، اِس لیے کہ مصنف ''خان'' کی کیفیت سے بھی معروف ہیں، مثال کے طور پر اپنے حریف کے حق میں ''گٹر میں ڈوب مریں''، ''علمی بدمعاشی''، ''کمینگی کی حد تک بخیل''، ''غلاظت اور کمینہ پن''، ''ضلالت و شرارت کے امام العصر'' اور ''لعنتی کمینی سوچ'' وغیرہ وغیرہ کے الفاظ ہمارے خیال کے مطابق' نہ ہوتے تو بہت بہتر ہوتا۔

اگرچہ معاندین و ملحدین جب بے باکی کے ساتھ ایک صحابی رسول حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو ''بدخصلت غنڈا'' وغیرہ کے الفاظ سے اپنی تفسیر کی جلد نفرتوں سے آلودہ کریں (مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ الفاظ تحریر کیے ہیں۔) اور جہاں بددیانتی، اور معلومات کا کچومر نکال دینا ''تحقیق'' قرار دیا جا رہا ہو اور اپنی فکری بیماری و بدعملی کی نحوستوں پر اتراتے ہوئے علماء وفقہاء امت پر تابڑ توڑ تبصرے کیے جا رہے ہوں، ایسوں کا تعاقب کرتے ہوئے ایسے جملوں کا در آنا ایک طبعی و فطری اَمر ہے۔ تاہم ہم سمجھتے ہیں کہ ان جیسے تند و تیز کلمات نے بے حس و مردہ ضمیر لوگوں کو کتاب کی افادیت و اہمیت سے عامۃ الناس کو دُور رَکھنے کا جواز مہیا کر دیا ہے۔ مصنف کتاب ہذا خود سوچیں کہ اگر خدانخواستہ کل کلاں اس کتاب کو پڑھ کر مولانا راشدی صاحب اسے مولانا عمار خان صاحب پر ''عوعو'' یا ''عف عف'' کہہ ڈالیں تو اس امکان و احتمال کا آخر کس جزی سے دفعیہ ممکن ہوگا؟

اسی طرح کتاب کے آخر میں بعنوان ''علامہ راشدی پر چند بے بنیاد الزامات'' کے چند صفحات لکھ کر، نہایت محنت سے لکھی جانے والی اِس کتاب کی علمی عظمت کو اپنے ہاتھوں خود دَاغدار کرنے کی کوشش بھی دَر آئی ہے۔ اگر مذکورہ الزامات واقعی بے بنیاد ہوں تو بھی غامدی فکر کو پلا پلایا بیٹا فراہم کر کے، پھر ان کی اوٹ پٹانگ باتوں کا کئی مقامات پر دفاع کرنا تو قطعی بے بنیاد الزام نہیں ہے۔ اس لیے الزامات لگانے والے جانیں اور ان کے جوابات وہ جانیں جن پر الزامات لگے ہیں۔ یہ کتاب جس موضوع پر لکھی گئی ہے اس کے تحت جب کبھی جاوید احمد غامدی صاحب کی تردید ہوگی وہاں حضرت مولانا زاہد الراشدی کی خود بخود ہوگی، کیونکہ گھنگروؤں کی یہ نغمہ ریز صدائیں اب ہر طرف گونج چکی ہیں کہ غامدی صاحب کو بیساکھیاں فراہم کرنے والے بہر حال یہی حضرات ہیں۔

اَب حال ہی میں اہل تشیع کے مرکز میں جا کر امامت کروانے کے حوالہ سے تو بہت کچھ لکھا گیا ہے

اور لکھنے والوں میں کتاب ہذا کے فاضل مصنف بھی شامل ہیں۔ اِس لیے ہماری رائے کے مطابق یہ آخری صفحات اپنے موضوع اور عنوان سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔ یہ ایک وقتی مصلحت کا پتہ تو دے رہے ہیں، عمومی اور کل وقتی فائدے کے آثار نظر نہیں آرہے۔

اسی طرح ہم یہ کہنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ کتاب جس قدر بلند پایہ علمی و تحقیقی ہے، اس اعتبار سے اس کا نام طویل اور متروک سا رکھا گیا ہے جو پڑھتے ہوئے زبان و دماغ پر ثقل پیدا کر دیتا ہے، عربی میں لمبا نام اچھا لگتا ہے، مگر اردو میں مختصر ہی ہونا چاہئے، اگر اس کا نام ''مطالعہ غامدیت''، ''محاسبہ غامدیت'' یا پھر ''فکر غامدی: ایک منصفانہ جائزہ'' وغیرہ رکھ دیا جاتا تو دیکھنے، پڑھنے میں لطف دوبالا ہو جاتا۔ امید ہے کہ اگلے ایڈیشن میں اس پر غور کر لیا جائے گا۔

کتاب کی کمپوزنگ نفیس ہے، تصحیح کا خاطر خواہ انتظام کیا گیا ہے، سرورق عمدہ ہے، البتہ اس کی لکھائی میں ذوق نظر نہیں آرہا۔ جلد بندی مضبوط ہے اور کاغذ اچھی کوالٹی کا لگایا گیا ہے۔ حق چار یار اکیڈمی گجرات نے اسے شائع کیا ہے۔ اور مبلغ/330 روپے میں یہ کتاب حاصل کر کے اپنی علمی آبیاری کی جاسکتی ہے۔ فون نمبر 0336-7658720 بہ قلم: محمد عبدالجبار سلفی، لاہور۔ ۱۷/ مارچ ۲۰۲۰ء

بندہ کے والد گرامی مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ العالی نے اپنی تازہ کتاب ''غامدی صاحب سے ناراضگی کے اسباب میں'' عم مکرم مولانا زاہدالراشدی صاحب سے متعلق ''صفدر'' میں شائع ہونے والی بعض چیزوں کی زوردار تردید اور راشدی صاحب کا دفاع فرمایا ہے۔ بالخصوص مخدوم محترم مولانا عبدالرحیم چاریاری مدظلہم کی ''بائیکاٹ تحریک'' کو نہ صرف نشانہ تنقید بنایا بلکہ اسے ''دیانت واُصول'' کے خلاف قرار دیتے ہوئے اس کی تائید کرنے والے تمام اکابر علماء کے علم وفہم اور دیانت پر سوالیہ نشان قائم کر دیا ہے۔

محترم مولانا عبدالجبار سلفی زید قدرہ نے والد گرامی حفظہ اللہ کی کتاب کے اکثر حصہ پر تبصرہ فرمایا، لیکن بعض پہلو تشنہ رہ گئے۔ چنانچہ ان کی نشاندہی کے لیے مخدوم مکرم مولانا عبدالرحیم چاریاری مدظلہم نے مولانا عبدالجبار سلفی دامت فیوضہم کے تبصرہ سے اتفاق کرتے ہوئے چند ماہ قبل والد مکرم زید مجدہم کی کتاب کے بعض پہلوؤں پر اپنا تبصرہ ''صفدر'' کے لیے ارسال فرمایا تھا، خصوصاً ''بائیکاٹ تحریک'' کے تائید کنندگان اکابر اہل سنت دیوبند کے دفاع کا جذبہ اور حقائق سے آگاہی اُن کے پیش نظر رہی۔

بندہ نے اُن کا تبصرہ اپنے الفاظ میں ایک عریضہ کے ذریعہ حضرت والد صاحب دام مجدہم کی خدمت میں پیش کیا، تاکہ اگر کوئی وضاحت وہ فرمائیں تو وہ بھی شامل اشاعت ہو جائے۔ لیکن والد محترم نے اس تبصرہ پر کوئی بھی تبصرہ کرنے کو غیر ضروری قرار دے کر معذرت فرمائی ہے۔

بندہ کا عریضہ دیکھنے کے بعد حضرت چاریاری مدظلہم کی رائے یہ ہے کہ: اُن کا تبصرہ بندہ کے عریضہ کی

صورت میں شامل اشاعت ہونا زیادہ مناسب ہے۔ لہٰذا بندہ کا عریضہ پیش خدمت ہے۔ [مدیر]

بخدمت محترم ومکرم حضرت والد صاحب دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ طالب خیر بخیر ہے!

بعدہ! مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ کی تازہ تالیف ''غامدی صاحب سے ناراضگی کے اسباب'' کے حوالے سے ایک مضمون کافی دنوں سے ''صفدر'' میں اشاعت کا منتظر ہے، مضمون کے بعض مشمولات سے متعلق مناسب معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ آپ سے راہ نمائی لے لی جائے، اِس لیے مضمون کی اشاعت آئندہ شمارے تک مؤخر کر کے یہ عریضہ آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں، امید ہے اپنے قیمتی اوقات اور بے پناہ مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کر پہلی فرصت میں تحریری جواب مرحمت فرمائیں گے۔

(۱)...... آپ نے اپنی مذکورہ کتاب میں تایا جان مولانا زاہد الراشدی صاحب کے حوالے سے لکھا ہے کہ: وفاق المدارس کی مہم اور بائیکاٹ مہم میں اُن کو صفائی کا موقع نہیں دیا گیا۔ یہ اِنصاف، دیانت اور اُصول کے خلاف ہے۔ [ص: ۳۰۱] [۱]

جبکہ مضمون نگار کا دعویٰ یہ ہے کہ: مختلف اوقات میں راشدی صاحب کو خاص اِس مقصد کے لیے دو مرتبہ مجلس عاملہ کے اجلاس، تین مرتبہ اکابر علماء کی مشاورتی کمیٹی اور ایک مرتبہ دفتر وفاق ملتان خصوصی نشست میں باہمی گفتگو کے لیے باقاعدہ صدر وفاق کی جانب سے تحریری دعوت دی گئی تھی، جسے ہر مرتبہ راشدی صاحب نے رَد کر دیا تھا۔ اور بالمشافہہ گفتگو سے راہِ فرار اختیار کر گئے تھے۔

اس کے بعد مضمون نگار نے یہ سوال کیا ہے کہ: ''جانتے بوجھتے اِن حقائق کا صاف اِنکار کر دینا یا انھیں گول کر جانا بھی ''اِنصاف، دیانت اور اُصول کے خلاف ہے۔'' یا نہیں؟''

(۲)...... آپ نے اپنی کتاب میں تایا جان راشدی صاحب پر لگائے گئے بعض الزامات کو ''بے بنیاد'' اور ''دیانت واخلاق کے منافی'' قرار دے کر اُن کے حوالے سے تایا جان کا دفاع کیا ہے۔ [ص: ۳۳۳] (اور اپنی کتاب کو تایا جان کے دفاع پر ہی ختم کیا ہے۔)

مضمون نگار نے اِس پر یہ سوال قائم کیا ہے کہ: آپ مختلف مواقع پر عمار خان کا بھی دفاع کرتے رہے ہیں۔ خصوصاً جب عمار خان نے قادیانیوں کو مسلمان سمجھنے کا اعتراف کیا تھا اور عمار خان کے خلاف فتاویٰ

---

[۱] مولانا راشدی نے اپنا رسالہ تبصرے کے لیے ماہنامہ ''وفاق'' کو بھیجا تھا، مبصر وفاق نے اپنی رائے کے مطابق تبصرہ کر دیا۔ اِس بارے میں یہ شکوہ بالکل غیر معقول اور بچگانہ ہے کہ: تبصرے کی خاطر بھیجے گئے رسالے پر تبصرے سے قبل راشدی صاحب کو صفائی موقع کیوں نہیں دیا گیا!؟ بھلا یہ بھی کوئی دانش مندی کی بات ہے؟ چاریاری۔۱۲

حاصل کیے گئے تھے۔

آپ نے اپنی کتاب میں عمار خان کے دفاع کے سلسلے میں اپنی کوششوں کے تذکرے سے کیوں خاموشی اختیار فرمالی ہے؟

(۳)...... آپ نے اِس کتاب میں راشدی صاحب کے خلاف مہم چلانے والے حضرات کے سرپرست و مؤیدین اکابر (مولانا سلیم اللہ خان، مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہما اللہ، مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی، مولانا مفتی محمد حسن مدظلہما وغیرہم بیسیوں حضرات) کو "اِنصاف، دیانت اور اُصول کی خلاف ورزی" کرنے والا لکھا ہے۔[ص:۳۰۱]

اور اِسی کتاب میں اکابر اہل سنت کو "پیشہ ور واعظ اور غیر محتاط خطیب" قرار دینے کی بنا پر عمار خان کو "توہین اسلاف کا مرتکب" اور ان کے "گریبانوں سے کھیلنے والا" قرار دیا ہے۔[ص:۲۸۲]

مضمون نگار نے بجا طور پر یہ سوال اُٹھایا ہے کہ: جب اکابر امت کو "پیشہ ور واعظ" کہنا "توہین اسلاف کی کھلی جسارت" اور "اکابر کے گریبانوں سے کھیلنا" شمار ہوتا ہے تو اکابر اہل حق کی ایک بڑی تعداد کو "خائن و بددیانت" قرار دینا کس شمار میں آئے گا؟

(۴)...... آپ نے مذکورہ بالا کتاب میں تایاجان مولانا زاہدالراشدی صاحب سے سات (۷) عدد اختلافات ذکر کیے ہیں۔[۳۳۰] جبکہ اِس سے قبل آپ نے فرمایا تھا کہ: "راشدی صاحب سے ہمارے اختلافات کی افواہیں پھیلانے والے مکار و عیار و ملعون و مردود ہیں۔" ۲

مضمون نگار کا سوال یہ ہے کہ: آپ کی اِن دو متضاد باتوں میں سے کسے درست تسلیم کیا جائے؟

(۵)...... آپ نے تازہ کتاب میں تایاجان کے بارے اکابر علماء کی بائیکاٹ کی تجویز کو "سیاسی فیصلہ" قرار دیا ہے۔[ص:۳۳۳]

اِس بارے میں مضمون نگار نے چند سوالات کیے ہیں:

۱۔کیا یہ انداز سب کی نفی کرکے فقط اپنی ذات کو اُصول پسند و دیانت دار قرار دینے اور "ہم چو ما دیگرے نیست" کا مظہر نہیں ہے؟

۲۔کیا یہ بیسیوں علماء اہل سنت دیوبند کے علم و فہم، دیانت و تقویٰ اور نیتوں پر براہِ راست حملہ نہیں ہے؟ کیا اَب فرقِ باطلہ کے ساتھ ساتھ اکابر دیوبند بھی مولانا (عبدالحق خان بشیر مدظلہم) کے قلم کا نشانہ ہوا

---

۲ وہ "افواہیں" پھیلانے والا یہی ناچیز تھا، جو قریہ قریہ بستی بستی گھوم پھر کر خواص و عوام اہل سنت کو یہ بتارہا تھا کہ مولانا راشدی کے اہل خاندان (بھائی، بھتیجے وغیرہ) بھی ان سے "فکری" اختلاف رکھتے ہیں۔ چاریاری۔۱۲

کریں گے!؟ ۳ے

۳۔آپ نے عمار خان کے دفاع کی خاطر مختلف فتاویٰ جات ضبط فرمانے کا جو فیصلہ فرمایا تھا وہ سیاسی تھا یا خاندانی؟

۴۔آپ نے مولانا سعید جلال پوری شہید رحمہ اللہ کو عمار خان کے خلاف اِقدام سے باز رکھنے کا فیصلہ فرمایا تھا، وہ سیاسی تھا یا نہیں؟

(۶)...... صاحبِ مضمون کا ایک دلچسپ سوال یہ ہے کہ: آپ کے نزدیک تایا جان زاہد الراشدی صاحب حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کے ''مسلکی'' جانشین ہیں یا نہیں؟ کیونکہ اِس کی صراحت آپ کی کتاب میں نہیں ہے۔اور آپ کے بقول: ''مسلکی نمائندگی وترجمانی کی بنیاد پر ہی حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کو 'امام اہل سنت' کا خطاب دیا گیا تھا۔'' [ص:۶۴]

(۷)...... مضمون نگار کی رائے میں آپ کا یہ اِرشاد بھی محل نظر ہے کہ: ''ہمیں علامہ راشدی کے 'فکر' سے نہیں، 'طرزِ فکر' سے اختلاف ہے۔'' [ص:۳۰۲] مضمون نگار کے بقول یہ بات اُن کی سمجھ سے باہر ہے۔

نیز مضمون نگار نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ: ''جہاں تک طرزِ فکر کی بات ہے، مولانا عبدالحق صاحب کو بڑے بڑے اکابر دیوبند کے طرزِ فکر سے اختلاف رہا ہے اور اَب بھی ہے۔اس کی ایک سے زائد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ ۴ے کیا مولانا کی نظر میں اکابر علماء دیوبند اور مولانا راشدی مسلکی حوالے سے اپنی

۳ے مولانا عبدالحق صاحب کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ: ہمیں وہ والے مولانا عبدالحق صاحب چاہییں جو حضرت امام اہل سنتؒ اور حضرت قائد اہل سنتؒ کے زیرِ سایہ تحقیق وتصنیف کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے۔اور انھیں دونوں بزرگوں کا اعتماد حاصل تھا، وہ اپنے اکابر سے بعض معاملات میں اختلاف رائے کے باوجود تحریر میں اپنے اکابر کے موقف کو ہی ترجیح دیا کرتے تھے۔یہ والے مولانا عبدالحق صاحب ہمارے وارے میں نہیں جنھیں حضرت امام اہل سنت کی علالت اور حضرت قائد اہل سنت کی وفات کے بعد (ناموافق حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے) مولانا زاہد الراشدی صاحب نے اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا اور اور کم وبیش دس سال ان کی ''خصوصی'' تربیت فرمائی۔مولانا عبدالحق صاحب کے اُس زمانہ کے رسائل کے سرورق پر ''زیرِ نگرانی: علامہ زاہد الراشدی'' کے نمایاں الفاظ دیکھے جاسکتے ہیں۔اگرچہ مولانا عبدالحق صاحب نے راشدی صاحب کی ''مزید تربیت'' سے جان چھڑالی ہے، لیکن سابقہ تربیت کے اثرات سے جان خلاصی کی ضرورت تاحال باقی ہے۔چاریاری۔۱۲

۴ے چنانچہ مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی رحمہ اللہ نے ایک موقع پر بندہ سے فرمایا تھا کہ: ''تحریک خدام اہل سنت کے ہر شخص نے مجھ سے اختلاف کیا، لیکن مولانا عبدالحق صاحب سے میں بہت خوش ہوں، انھوں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔'' ظاہر بات ہے حضرت قائد اہل سنت کے ''طرز'' سے یہ آپ کا اختلاف ہی تھا۔چاریاری۔۱۲

اپنی ذمہ داریاں یکساں طور پر ادا کر رہے ہیں؟‘‘

(۸)...... عمار خان ناصر کی ایک عبارت کا مفہوم ہے کہ: ’’دورِ نبوی کے بعض کمزور مسلمانوں میں بدکاری کے اڈے چلانے اور یاری آشنائی کے واقعات پائے جاتے تھے۔ جن کی اصلاح بتدریج ہی ممکن تھی۔‘‘

بعض حضرات نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ: دورِ نبوی کے تمام مسلمان، صحابہ ہی تھے۔ لہٰذا عمار خان کی اِس عبارت کی زد میں صحابہ کرام بھی آ رہے ہیں۔

فاضل مضمون نگار کا آپ سے یہ سوال ہے کہ: آپ نے اِس حوالے سے اپنی کتاب میں کچھ نہیں تحریر فرمایا۔ اگر بعض حضرات کا دعویٰ درست ہے تو اِس حوالے سے آپ کی خاموشی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اور اگر اُن کا دعویٰ غلط ہے تو آپ نے ’’عمار خان پر چند بے بنیاد الزامات‘‘ کا عنوان قائم کیوں نہیں فرمایا؟

(۹)...... اس کے علاوہ بھی مضمون نگار نے چند اُمور کی طرف توجہ دلائی ہے، مثلاً:

۱...... آپ نے لکھا ہے کہ: عمار و راشدی صاحب پر سب سے پہلی تنقید میں نے کی تھی۔ [ص: ۳۳] حالانکہ آپ سے قبل ہی حضرت امام اہل سنت کی حیات میں مولانا مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ اور ماہنامہ ’’وفاق المدارس‘‘ کی تنقیدی تحریرات طبع ہو چکی تھیں۔

۲...... آپ نے لکھا ہے کہ: اکابر نے اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیا۔ [ص: ۳۳] حالانکہ مولانا سلیم اللہ خانؒ کا اِس سلسلے کا آخری مکتوب آپ عمداً نظر انداز کر گئے۔ کیا یہ بھی آپ کا کوئی سیاسی فیصلہ ہی ہے؟

۳...... حضرت امام اہل سنت نے لکھا ہے کہ: عقیدہ حیات عیسیٰ کا منکر اور موؤل دونوں کافر ہیں۔ آپ کی کتاب میں ’’نعمانی‘‘ کے نام سے موؤل کی یہ وضاحت کی گئی ہے کہ: ’’اسے قطعی عقیدہ ماننے کے بجائے تحقیقی و اجتہادی نظریہ قرار دینے والا۔‘‘ [ص: ۴۳] ظاہر بات ہے کہ یہ موقف عمار خان کا ہے۔ کیا آپ اور نعمانی صاحب کے نزدیک حضرت امام اہل سنتؒ کے فتویٰ کی رو سے عمار خان کافر ہے؟

۴...... آپ نے لکھا کہ: ’’بعض لوگ اپنی تقریروں میں یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے اجتہاد کے مقابلے میں اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔‘‘ [ص: ۱۱۳] یہ تو مولانا زاہد الراشدی صاحب کا قول ہے۔ کیا آپ کی نظر میں وہ دھوکہ باز ہیں؟

۵...... آپ نے لکھا ہے کہ: علامہ راشدی کی حکمت و بصیرت سے نہ ہمیں کل کوئی اختلاف تھا، نہ آج کوئی اختلاف ہے۔ [ص: ۳۰۲] کیا عمار خان ناصر مولانا راشدی کی ہی حکمت و بصیرت کا نتیجہ نہیں ہے؟ اور کیا آپ کو اس سے کوئی اختلاف نہیں ہے؟

۶...... آپ نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ: غامدی کے بارے میں جس انداز میں راشدی صاحب

نے مضامین لکھے ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ وہ حالات اور وقت کے لحاظ بالکل مفید و مناسب ہے۔

راشدی صاحب نے تو غامدی کو ایک ''ماہر عالم دین، مخلص امام اور گویا مجتہد'' بنا کر پیش کیا ہے۔ اگر راشدی صاحب کا طرز درست تھا تو آپ نے اپنی کتاب میں اُس مفید و مناسب طرز کو کیوں چھوڑ دیا؟ اور یہ بھی ضرور بتادیں کہ اُس مفید و مناسب طرز سے کتنے لوگ غامدی سے دُور ہوئے؟؟

دعویٰ اور درخواست: مضمون نگار نے ایک دعویٰ کر کے پھر ایک درخواست بھی کی ہے:

دعویٰ یہ ہے کہ: ''مولانا (عبدالحق خان بشیر صاحب مدظلہ) نے اپنی زیر تبصرہ کتاب میں راشدی صاحب کے حوالے سے بہت سی ایسی چیزیں درج فرمائی ہیں جو اِس قیمتی کتاب کا حصہ نہیں بننی چاہییں۔''

اور درخواست یہ کہ: ''امید ہے مولانا آئندہ طباعت میں اِن جیسی یک طرفہ چیزوں اور یک رخے پن والی باتوں کو حذف فرمادیں گے۔''

آپ وضاحت فرمادیں کہ: کیا مضمون نگار کا یہ دعویٰ درست ہے؟ اگر درست ہے تو اُن کی درخواست پر آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟

(۱۰)...... چند اہم امور کی وضاحت:

مضمون نگار نے آخر میں وضاحتاً لکھا ہے کہ:

۱۔ عمار خان نے قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے ہوئے اُن کے حق میں بعض مضامین لکھے تھے، عمار خان کے جواب میں بعض حضرات نے مضامین لکھے، تو عمار خان کے دفاع میں زاہد الراشدی صاحب خود میدان میں اُترے۔ کیا یہ بالواسطہ قادیانیت نوازی نہیں ہے؟

''عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے حضرات نے قاضی عطا نامی شخص کو قادیانی قرار دیا ہے، جس کا باقاعدہ اعلان موجود ہے۔ قاضی عطاء کی کتاب پر راشدی صاحب نے تقریظ لکھی، اِس لیے راشدی صاحب کو ''قادیانیت نوازی'' کا طعنہ ملا۔

مضمون نگار کا سوال یہ ہے کہ: کیا عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت والوں نے اپنا الزام واپس لے لیا ہے اور وہ قاضی عطاء کے حوالے سے مطمئن ہیں؟

کیونکہ راشدی صاحب خود فرما چکے ہیں کہ: ''ختم نبوت کے عنوان پر ہمارا پلیٹ فارم ''عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت'' ہے، اگر وہ مطمئن ہیں تو ہم بھی مطمئن ہیں۔ اگر وہ مطمئن نہیں تو ہم بھی مطمئن نہیں۔''

۳۔ مضمون نگار کے بقول مولانا راشدی پر ''شیعیت نوازی'' کے الزام کا ثبوت آپ کی زیر تبصرہ کتاب میں موجود ہے کہ اُنھوں نے شیعوں کے مرکز میں ان کی جماعت کی امامت تک کرادی۔ [ص:۲۱]

اس سے بڑا کیا ثبوت ہو؟

۴۔ تایا جان راشدی صاحب کا کہنا ہے کہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید برداشت ہے۔''

(حالانکہ تایا جان نے ہی مفتی ابولبابہ صاحب کے قائم کردہ ایک عنوان کے بارے میں لکھا تھا کہ: ''ناقابل برداشت ہے۔'')

آپ نے زیرِ تذکرہ کتاب میں تایا جان کے قول کی یہ تاویل فرمائی ہے کہ: ''راشدی صاحب کے مخاطب اہل مغرب تھے۔''

مضمون نگار کا کہنا ہے کہ:

۱۔ راشدی کے اِس قسم کے بیانات میں اُن کے سامعین پاکستان کے سادہ لوح عوام اور اہل سنت مسلمان تھے۔

۲۔ بالفرض توہین وتنقید کے معنی میں واقعتاً فرق ہو بھی تو عام مسلمانوں کو یہ فرق سمجھائے بغیر اُن کے سامنے ایسی باتیں کرنا عقل مندی کا تقاضا نہیں ہے۔

۳۔ نیز جب کوئی فرد یا گروہ ''توہین'' کر رہا ہو تو اس کے فوراً بعد اسے روکنے کے بجائے ''تنقید'' کا راستہ دکھانا کہاں کی دانش مندی ہے؟ کیونکہ تنقید کا معنیٰ ''نکتہ چینی اور اعتراض'' ہے۔ [القاموس الوحید] اور ہم کسی کو دعوت نہیں دے سکتے کہ: ''آیئے تشریف لایئے اور ہمارے بڑوں پر نکتہ چینی کیجیے!''

۴۔ اِس حوالے سے مولانا محترم (عبدالحق خان بشیر مدظلہ) نے ''عرف'' جیسی معروف اصطلاح کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے کہ ہمارے ہاں تنقید کا لفظ کس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

آخر میں مضمون نگار نے خلاصہ کے طور پر لکھا ہے کہ: ''محترم مولانا عبدالحق صاحب کی اِس نہایت قیمتی علمی کتاب میں راشدی صاحب کے دفاع اور طرفداری میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اُس میں ''انصاف، دیانت اور اُصول'' کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ واللہ اعلم''

عرضِ خادم: بندہ نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ عریضہ میں میری جانب سے کوئی جملہ اَدب واحترام کے منافی نہ ہو۔ پھر بھی اگر بلاارادہ کوئی ایسا لفظ، جملہ یا مفہوم تحریر میں آ گیا ہو تو اس کے لیے صدقِ دل سے معافی چاہتا ہوں۔ اور اپنی ہر ایسی بات واپس لیتا ہوں۔

اور مکرر عرض گزار ہوں کہ: اپنے تحریری جواب سے جلد از جلد ممنون فرمائیں۔ بالفرض اگر تحریری طور پر فوری جواب کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو اپنی آواز میں مکمل جواب محفوظ (ریکارڈ) کروا کے عزیزم انس سلمہ کے ذریعہ ارسال فرما دیں۔ جزاک اللہ خیرا

برائے سہولت: آج سے کئی سال قبل مولانا طارق جمیل کے نام آپ نے جو مکتوب ارسال فرمایا تھا، جس میں بعض اہل علم کی جانب سے اُن پر لگائے گئے الزامات کی وضاحت مطلوب تھی، آپ کے اُس گرامی نامہ کے آخری کلمات اپنی سہولت کے لیے درج کر رہا ہوں:

''آپ سے درخواست ہے کہ آپ

[۱]......جو الزام غلط ہے اس پر صرف دو جملوں میں تحریر فرما دیں کہ یہ الزام بے بنیاد ہے۔

[۲]......جس الزام کے الفاظ اُدھورے ہیں اور آپ کا پورا مؤقف واضح نہیں کرتے، ان کی کم سے کم الفاظ میں وضاحت فرما دیں۔

[۳]......جو الزامات درست ہیں اور ان میں اصلاح ورجوع کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، اس کی بھی اپنے الفاظ میں وضاحت کر دیں۔

[۴]......جو الزامات درست ہیں اور آپ ان میں اصلاح ورجوع کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، ان پر صرف اتنا تحریر کر دیں کہ میں اس سے رجوع کر چکا ہوں، یا کرتا ہوں۔

حاشا وکلا! ہمارا مقصد....صرف اور صرف تشویش وپریشانی میں مبتلا مسلکی افراد کو پریشانی سے نکالنا اور مسلک کے حقیقی فکر ونظریہ کو محفوظ رکھنا ہے، آپ کا تعاون ہمیں بہت سی مشکلات سے نکال سکتا ہے، خدا تعالیٰ آپ کی تمام شرور وفتن سے حفاظت فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔''

اللہ پاک آپ کا سایہ صحت وایمان کی سلامتی اور ہر طرح کی عافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر تا دیر قائم ودائم رکھیں۔ آمین

آپ سے خصوصی دعاؤں کی التجا ہے، رمضان المبارک کی اِن نورانی ساعات میں آپ کا وقت نہیں لینا چاہتا تھا، لیکن چونکہ کتاب اور قلم سے آپ کا رشتہ رمضان المبارک میں بھی قائم رہتا ہے، اِس لیے مطالعہ اور تحریر کی تکلیف دینے کی جسارت کر رہا ہوں۔ امید ہے درگزر فرمائیں گے۔ دعاؤں کی مکرر درخواست ہے۔

ملاحظہ: زیر نظر عریضہ میں تو ایک مضمون نگار صاحب کی چنیدہ باتیں عرض کی ہیں، خود بندہ نے دورانِ مطالعہ آپ کی کتاب کے جو مقامات نشان زد کیے تھے، اُن میں سے چند ایک دوسرے عریضہ میں درج کر کے اِس عریضہ کے ہمراہ ہی ارسال کر رہا ہوں۔ سردست اِس عریضہ کا جواب مرحمت فرما دیں۔ دوسرے کے جواب کی کوئی جلدی نہیں!

والسلام: آپ کا بیٹا حمزہ احسانی، لاہور

۱۷ر رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ۔ ۱۱ر مئی ۲۰۲۰ء، پیر

مجلّہ صفدر ''علامہ خالد محمود نمبر''...... چند اہم عنوانات

شخصیت و احوال کے آئینے میں		تعارف و علمی مآثر
حق گوئی و بے باکی		جامع الصفات شخصیت
مبارک ہستی		محافظ سنت نبویہ و سنتِ خلفاء راشدین
سادہ مزاج اور ملنسار		عظیم داعی اسلام
شخصیت ساز انسان		ایک عبقری شخصیت
فاتح عالم		علامہ صاحب کی عجز وانکساری
حاضر دماغ شخصیت		علامہ صاحبؒ اور حضرت اوکاڑویؒ
لسان الامہ علامہ صاحب اور علم الکلام		حضرت علامہ صاحب کی حدیثی خدمات
عالی دماغ مفکر، عظیم مدبر		پیکر صدق وصفا، نمونہ زہد وتقویٰ
علامہ صاحب: امتیازات وخصوصیات		اکابر ومعاصر کا سنگم
علم وعمل کا بحر محیط		علامہ صاحب بحیثیت ترجمان مسلک اہل سنت
دفاع سیدنا معاویہؓ اور حضرت علامہ صاحبؒ		محاسبہ دیوبندیت پر ایک نظر!
علامہ صاحب کا ذوق تحقیق		علامہ صاحب اور اصول سنت وبدعت
علامہ خالد محمودؒ اور حضرت چنیوٹیؒ		متکلم اسلام کی فقہی خدمات
رد رفض پر علامہ صاحب کے زریں افادات		مناظرہ کے عجیب واقعات
عیسائیت پر مضبوط علمی گرفت		علامہ خالد محمود اور عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ
علامہ خالد محمود اور دفاع صحابہؓ		اسلاف کی علمی وفکری روایات کے وارث
علامہ صاحب کا ذوق حدیث		تنظیم اہل سنت اور حضرت علامہ صاحب
رد ناصبیت میں سلطان العلماء کی کاوشیں		عالم اسلام کے عظیم راہ نما
باطل کے خلاف سیف بے نیام		علامہ صاحب بحیثیت وکیل احناف
خوان خالد سے خوشہ چینی		مروجہ چند بدعات: علامہ صاحب کی نظر میں
علامہ صاحب کی کتاب ''معیار صحابیت''		علامہ صاحب فتنہ بریلویہ کے تعاقب میں

’’علامہ خالد محمود نمبر‘‘ کے لیے موصولہ مضامین/تاثرات: چند اہم نام

مولانا ابوالقاسم نعمانی، دیوبند	مولانا عبدالرزاق اسکندر	مولانا عبدالعلیم فاروقی لکھنوی
مولانا منظور احمد نعمانی	مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی	مولانا انوار الحق، اکوڑہ خٹک
مولانا مفتی رویس خان ایوبی	مولانا مفتی عطاء الرحمٰن، بہاول پور	مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی
مولانا حبیب الرحمٰن سومرو	مولانا مفتی جمیل الرحمٰن، چکوال	مولانا محمد نواز سیال، ملتان
مولانا مفتی محمد حسن، لاہور	مولانا محمد مسعود ازہر	مولانا منیر احمد منور
مولانا قاری محمد سلیمان، ٹیکسلا	مولانا قاری محمد طارق، ڈیرہ	مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری
مولانا محمد عمر قریشی	مولانا مفتی امداد اللہ انور	مولانا عبدالقیوم حقانی
مولانا عبدالغفار تونسوی	مولانا عطاء اللہ، بہاول پور	مولانا مفتی خالد محمود، اقراء
مولانا ڈاکٹر سعید احمد عنایت	مولانا مفتی عبدالرحمٰن ظفر	مولانا قاضی نثار احمد
مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی	مولانا ظفر اقبال، جہلم	مولانا مجیب الرحمٰن، ڈیرہ
مولانا صفی اللہ، کوہاٹ	مولانا زبیر احمد صدیقی	جناب ہمایوں صادق، خادم خاص
مولانا محمد اسماعیل ریحان	مولانا مدثر جمال تونسوی	مولانا عبدالرؤف چشتی
مولانا عبدالجبار سلفی	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی	مولانا عبدالمعبود
مولانا مفتی محمد طیب، فیصل آباد	مولانا محمد الیاس بالاکوٹی	مولانا خواجہ خلیل احمد
مولانا محمود الرشید حدوٹی	مولانا محمد الیاس چنیوٹی	مولانا ابوایوب قادری
پروفیسر محمد اسلم بیگ	پروفیسر حافظ بشیر حسین حامد	مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
مولانا مفتی سلمان منصور پوری	مولانا عتیق احمد بستوی	مولانا سفیان قاسمی، دیوبند
مولانا ڈاکٹر الیاس فیصل	مولانا مفتی احمد ممتاز	مولانا فضل الرحمٰن، قائد جمعیۃ
مولانا مفتی عبدالستار، خان پور	مولانا مفتی شعیب احمد، لاہور	مولانا خالد محمود ٹیکسلا، معتمد خاص
مولانا عرفان الحق حقانی	مولانا عمر فاروق تونسوی	مولانا صہیب ظفر، خادم خاص
حافظ عبدالوحید حنفی، چکوال	مولانا محمود عالم اوکاڑوی	مولانا نعمان احمد نعمانی
مولانا مومن خان عثمانی	مولانا بلال احمد، چنیوٹ	مولانا محبوب احمد، سرگودھا
مولانا عرباض خان سواتی	مولانا نور محمد آصف، تلہ گنگ	مولانا قاضی محمود الحسن اشرف

"علامہ خالد محمود نمبر" کے لیے موصولہ مضامین رتاثرات: چند اہم نام

مولانا ابوالقاسم نعمانی، دیوبند	مولانا عبدالرزاق اسکندر	مولانا عبدالعلیم فاروقی لکھنوی
مولانا منظور احمد نعمانی	مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی	مولانا انوار الحق، اکوڑہ خٹک
مولانا مفتی رویس خان ایوبی	مولانا مفتی عطاء الرحمٰن، بہاول پور	مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی
مولانا حبیب الرحمٰن سومرو	مولانا مفتی جمیل الرحمٰن، چکوال	مولانا محمد نواز سیال، ملتان
مولانا مفتی محمد حسن، لاہور	مولانا محمد مسعود ازہر	مولانا منیر احمد منور
مولانا قاری محمد سلیمان، ٹیکسلا	مولانا قاری محمد طارق، ڈیرہ	مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری
مولانا محمد عمر قریشی	مولانا مفتی امداد اللہ انور	مولانا عبدالقیوم حقانی
مولانا عبدالغفار تونسوی	مولانا عطاء اللہ، بہاول پور	مولانا مفتی خالد محمود، اقراء
مولانا ڈاکٹر سعید احمد عنایت	مولانا مفتی عبدالرحمٰن ظفر	مولانا قاضی نثار احمد
مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی	مولانا ظفر اقبال، جہلم	مولانا مجیب الرحمٰن، ڈیرہ
مولانا صفی اللہ، کوہاٹ	مولانا زبیر احمد صدیقی	جناب ہمایوں صادق، خادم خاص
مولانا محمد اسماعیل ریحان	مولانا مدثر جمال تونسوی	مولانا عبدالرؤف چشتی
مولانا عبدالجبار سلفی	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی	مولانا عبدالمعبود
مولانا مفتی محمد طیب، فیصل آباد	مولانا محمد الیاس بالاکوٹی	مولانا خواجہ خلیل احمد
مولانا محمود الرشید حدوٹی	مولانا محمد الیاس چنیوٹی	مولانا ابوایوب قادری
پروفیسر محمد اسلم بیگ	پروفیسر حافظ بشیر حسین حامد	مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
مولانا مفتی سلمان منصور پوری	مولانا عتیق احمد بستوی	مولانا سفیان قاسمی، دیوبند
مولانا ڈاکٹر الیاس فیصل	مولانا مفتی احمد ممتاز	مولانا فضل الرحمٰن، قائد جمعیۃ
مولانا مفتی عبدالستار، خان پور	مولانا مفتی شعیب احمد، لاہور	مولانا خالد محمود ٹیکسلا، معتمد خاص
مولانا عرفان الحق حقانی	مولانا عمر فاروق تونسوی	مولانا صہیب ظفر، خادم خاص
حافظ عبدالوحید حنفی، چکوال	مولانا محمود عالم اوکاڑوی	مولانا نعمان احمد نعمانی
مولانا مومن خان عثمانی	مولانا بلال احمد، چنیوٹ	مولانا محبوب احمد، سرگودھا
مولانا عرباض خان سواتی	مولانا نور محمد آصف، تلہ گنگ	مولانا قاضی محمود الحسن اشرف